قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار طلوع اسلام کراچی

جلد نمبر ۸ شمارہ ۳۴ | کراچی: ہفتہ - ۲۴ - ستمبر ۱۹۵۵ء | قیمت چھ آنہ سالانہ پندرہ رو۔

قرآن نے کیا کہا؟

جنتی معاشرہ کے متعلق یہ بتایا جاچکا ہے کہ اس کی پہلی خصوصیت یہ ہوگی کہ اس میں ہر جگہ نہایت افراط سے کھانے پینے کا سامان ہوگا۔ لیکن یہ نہیں کہ چنے کھانے کو مل جائیں اور چیتھڑے پہننے کو۔ اس معاشرہ میں دنیا کے بہترین آسائش و آرائش کے سامان میسر ہونگے۔ سونے کے کنگن، جو اس زمانے میں عزت اور سرداری کے نشان ہوتے تھے۔ یحلون فیھا من اساور من ذھب اور گوہرآبدار۔ ولؤلؤا۔ اور حریر و اطلس کا لباس۔ ولباسھم فیھا حریر (۲۲/۲۳)۔ رہنے کے لئے بڑے بڑے شاندار محلات۔ ویجعل لک قصورا (۲۵/۱۰)۔ بیٹھنے کے لئے نہایت پر تکلف تخت۔ فی ظلل علی الارائک متکئون (۳۶/۵۶)۔ یہ سب کچھ اس معاشرہ میں ملیگا۔

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

۱۔ تنہا انسانی عقل، زندگی کے مسائل کا حل دریافت کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے نور ربانی کیلئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی۔

۲۔ یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس لئے نوع انسانی اب قرآن کے بغیر اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔

۳۔ حق اور باطل کا معیار قرآن ہے۔ ہر وہ بات جو قرآن کے مطابق ہو حق ہے اور جو اس کے خلاف ہو باطل ہے۔

۴۔ حضور نبی اکرم نے انسانیت کو ربوبیت کے نظام پر قائم کیا۔ یہ نظام ہماری تاریخ میں ایسی بہترین مثال کی حیثیت رکھتا ہے جس سے حضور کی سیرت کا اظہار ہوتا ہے۔ ہماری تاریخ کے اپنے تمام حصے خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں، اسی قرآن کی روشنی میں پرکھے جائیں گے۔ اور ان کا معیار خود قرآن کریم ہے۔

۵۔ قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی صورت یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔

۶۔ اس عالمگیر نظام زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں۔ انہیں قانون شریعت کہا جاتا ہے۔ یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔

۷۔ اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسے ربوبیت یعنی تمام نوع انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۸۔ ربوبیت عالمینہ کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے مطابق ہو سکے۔ اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے قرآنی نظام ربوبیت کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

اسلام پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں اس قرآنی نظام ربوبیت کا نفاذ ہو جائے جو مسلمانوں کی روشنی میں ہر انسان کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما کا ضامن اور سطح زمین کو جنت بنا دینے کا ذریعہ ہو گا۔

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں
تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

قرآنی حقائق کا بیان

(محترم پرویز صاحب)

اتوار صبح ۹ بجے

۲۳/۱ - فاؤلرز لائن - نیپئر بارکس - کراچی

اس شمارے میں

★ خوش و حشیہ	★ چند حقائق	★ امید کی کرن	★ تضیع اوقات	★ تاریخی شواھد
★ اسلام کی سرگزشت	★ مجلس اقبال	★ عورت کا قرآن	★ قرآن و حدیث	
★ اندرون ھند	★ باب المراسلات	★ عالم اسلامی	★ بین الاقوامی جائزہ	

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کا بنیادی اصول کیا ہے اور اسلامی نظام کیسے قائم ہوسکتا ہے؟ اسکے جواب میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر ونظر کی نئی راہیں کھولدی ہیں۔ قیمت دو روپے۔

اسباب زوال امت

مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا۔

ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

قرآنی دستور

اس میں پاکستان کیلئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔

ضخامت دو سو چوبیس صفحات

قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

اسلامی معاشرت

مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ، رہنے سہنے کا ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینے میں۔

ضخامت ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے۔

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ہے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذہبی تصورات سے متنفر ہوتے ہوتے اسلام اور اسکے سرچشمۂ حیات قرآن ہی سے ہاتھ دھو چلا تھا۔ عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کیگئی ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رہے ہیں۔ باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کرکے رکھ دئے گئے ہیں جنہیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا۔ یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم۔ بڑا سائز ضخامت سوا چار سو صفحات۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے قلم کا حسین مرقعہ۔ قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک۔

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہوں کا زاویہ بدل دیا ہے۔ مفہوم کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی۔

بڑا سائز۔ ضخامت قریب چار سو صفحات کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید جلد مضبوط۔ گرد پوش حسین۔
قیمت چھ روپے۔ علاوہ محصولڈاک۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۷۔ کراچی۔۳

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفت روزہ

طلوعِ اسلام

جلد ۸ — ہفتہ ۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۵۵ء — نمبر ۳۴

خوش درخشید

آخری کاپی پریس میں جارہی تھی کہ یہ تاسف انگیز اطلاع ملی کہ محترم غلام محمد صاحب اپنی خرابیٔ صحت کی بنا پر اپنے منصب سے مستعفی ہونے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ (معدودے چند افراد کے سوا) تمام ملک میں اس خبر کو رنج اور تاسف کے ساتھ سنا گیا ہوگا۔

یوں تو کائنات میں ہر واقعہ کسی نہ کسی قانون کے تابع ظہور پذیر ہوتا ہے لیکن بعض ایسے واقعات بھی سامنے آتے ہیں کہ ہماری موجودہ علمی سطح ان کے اسباب و علل کی مختلف کڑیوں کا احاطہ نہیں کرسکتی، اس لئے ہم انہیں مجبوراً "اتفاق" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں اقبال جیسے دیدہ ور کا پیدا ہوجانا اسی قسم کے اتفاقی واقعات میں سے تھا وہ بھی اس زمانہ میں جب قوم صدیوں سے

ترس رہی تھی کسی مردِ راہ داں کیلئے

لیکن کسی مردِ راہ داں کا غبارِ ناقہ تک دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اقبالؒ کی دیدہ وری نے مسلمانوں کے منتشر قافلے کو پاکستان کا تصور دیا۔ اس کے بعد اس تصور کو عملاً مشہود بنانے کے لئے، جناحؒ جیسا مخلص قابل اور دیانتدار وکیل آگے بڑھ آیا جس کے متعلق کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ وہ مذہب کی بنا پر مسلمانوں کی جداگانہ قومیت اور ان کی الگ مملکت کا کبھی خیال بھی کرسکے گا۔ اسی سلسلہ کی تیسری کڑی محترم غلام محمد کی سیادت تھی۔ محترم موصوف "انڈین آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس سروس" سے متعلق تھے۔ ہندوستان میں آئی سی ایس کا طبقہ نظم و نسق کا ماہر اور اکاؤنٹ سروس کے لوگ حساب کتاب کے حامل سمجھے جاتے تھے اور اسی بنا پر آئی سی ایس والے انہیں بالعموم "منشی جی" کہہ کر پکارتے تھے۔ لیکن حیرت ہے کہ اسی "منشی جی" کے طبقہ کا ایک فرد اتنی بڑی مملکت کے زمامِ اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے اور اس کے بعد اس کشتی کو ان طوفانوں سے بچا کر صاف نکال لے جاتا ہے جن کے تصور سے بڑے بڑے شناور لرزہ براندام تھے۔ اگر اقبالؒ پاکستان کا بانی اور جناحؒ اس کا معمار ہے، تو غلام محمد کو بجا طور پر اس کا محافظ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر آپ کے ذہن سے ماضی کے نقوش بالکل مٹ نہیں گئے تو ذرا تصور میں لائیے اس فضا کو جو ناظم الدین وزارت کے زمانہ میں یہاں عام ہو چکی تھی۔ غور کیجئے کہ اس وقت ملک کس تباہی و بربادی کے جہنم کی طرف کشاں کشاں چلا جارہا تھا۔ ملک میں تخریبی قوتیں اس طرح بدلگام ہورہی تھیں گویا جہنم کے شیاطین ہیں جو اپنی زنجیریں توڑ کر، سرکش و بےباک، چاروں طرف بھاگ نکلے ہیں۔ جاہل اور تنگ نظر "مسجدوں کے امام" جن کی سمجھ میں ہی نہیں آسکتا تھا کہ:

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے

خواجہ صاحب کے مشیر اور صلاح کار بن چکے تھے۔ ملک میں ہر طرف تشتت و انتشار کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ مرکز کمزور سے کمزور تر ہوتا جارہا تھا۔ عوام پر عرصۂ حیات تنگ ہو رہا تھا۔ ایسا نظر آتا تھا گویا پاکستان مغلیہ سلطنت یا وزیران اودھ کی حکومت کا آخری ٹمٹماتا چراغ ہے۔ ایسے نازک اور پُرآشوب وقت میں غلام محمد کا آہنی بازو آستین سے باہر نکلا، اپنی بطشِ شدید سے ان تمام تخریبی عناصر کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا۔ اور اس طرح اس نوزائیدہ مملکت کو تباہی اور بربادی کے جہنم میں گرنے سے بچا لیا۔ اس کے بعد، سابقہ مجلسِ آئین ساز ملک کے ساتھ جس قسم کا مذاق کر رہی تھی اس سے یہ مملکت غیروں کی نگاہ میں اضحوکہ بن چکی تھی۔ وہ آئین سازی جیسے اہم فریضہ سے جس بُری طرح بے اعتنائی برت رہی تھی اس سے قوم پر انتہائی افسردگی اور ناامیدی چھا چکی تھی۔ کہ ایسے میں اسی آہنی ہاتھ نے پھر اپنی ضربِ کاری کا مظاہرہ کیا اور اس عفریت کا بوس کو سینۂ ملت سے الگ کرکے رکھ دیا۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ غلام محمد آئین شکن تھا اور قوم کو آمریت کی طرف لئے جارہا تھا۔ مفاد پرست گروہ نے، جسے اپنی گرفت میں لیا تھا، اس کے خلاف اسی قسم کا پروپیگنڈہ شروع کیا تھا اور وہ پروپیگنڈہ آج تک جاری ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے جو کسی کے مٹائے مٹ نہیں سکتی کہ جب عدالت عالیہ نے یہ بتایا کہ ان معاملات میں آئینی پوزیشن کیا ہے تو اس کے بعد اسی غلام محمد نے اپنے اختیاراتِ خصوصی کا کبھی استعمال نہیں کیا بلکہ اپنی گردن آئین کے سامنے جھکا دی۔ اگرچہ وہ جانتا تھا، اور بعد کے واقعات نے اُسے ثابت بھی کردیا کہ آئینی پوزیشن کچھ ہی کیوں نہ ہو، ملک کی سلامتی اسی میں تھی کہ گورنر جنرل اپنے اختیارات خصوصی کے ماتحت وہ سب کچھ کردیتا جسے اب "جمہوریت کے نمائندوں" کے ہاتھ میں دے کر بازیچۂ اطفال بنا دیا گیا ہے، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

ہمیں افسوس ہے کہ خرابیٔ صحت نے محترم غلام محمد کو اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اپنے عزائم کو اپنے ہاتھوں بروئے کار لاسکیں۔ اگر انہیں اتنی مہلت مل جاتی تو ہمیں یقین تھا کہ وہ اس ملک کو اس پٹری پر ڈال دیتے جس سے یہ سیدھا خوشگواریوں کی آخری منزل تک پہنچ جاتا۔ کم از کم وہ اسے رجعت پسند تخریبی قوتوں کی دستبرد سے تو یقیناً بچا لیتے۔ مسلمانوں کی تاریخ نے اُن کے سامنے اس حقیقت کو بےنقاب کردیا تھا۔ ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت وہ تخریبی عناصر ہیں جنہوں نے اس ملتِ شریفہ کو آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پر دے پٹکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اس حقیقت سے بھی باخبر تھے کہ شجرِ ملت کو اس "اکاس بیل" کے زہریلے چنگل سے چھڑانے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے معاشرہ کو قرآنی اقدار کے مطابق از سرِ نو متشکل کیا جائے۔ قارئین کو ان کا وہ حقیقت کشا اور بصیرت افروز بیان یاد ہوگا جو انہوں نے ۱۹۵۲ء میں دیا تھا۔ اور اس میں انہوں نے کہا تھا کہ:

> گزشتہ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ میں اسلام نے استبداد کے ہاتھوں بڑا نقصان اٹھایا ہے۔ ہوا یہ کہ ان مستبد حکمرانوں نے اسلام کو بطور ایک آلۂ کار کے استعمال کیا۔ مفاد پرست گروہ ان کے ساتھ تھے اور مذہبی پیشوا (علما) ملوکیت اور مفاد پرستی کے منشا کے مطابق اسلام کی تاویلیں کرتے جاتے تھے اور چونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ مذہب کے واحد ٹھیکیدار ہیں اس لئے جو کچھ یہ کہتے تھے وہ مذہب بن جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک کھلی ہوئی کتاب ہے جسے ہر شخص خواہ

> وہ مولوی ہو یا سرکاری دفتر کا ملازم ہو، بلا کسی روک ٹوک کے از خود پڑھ سکتا ہے۔ خدا کا احسان ہے کہ ہمارے ہاں ذات پات کی کوئی تمیز نہیں۔ نہ ہی ہمارے ہاں پنڈتوں کا کوئی گروہ ہے۔ نہ ہی اس قسم کا تصور کہ اس گروہ کے باہر باقی لوگ ذہنی طور پر اچھوت ہیں..... اب کرنے کا کام یہ ہے کہ اس ہزار سالہ عرصہ میں اسلام ستبد ملوکیت اور مفاد پرستانہ پیشوائیت کے جس ملبہ کے نیچے دب چکا ہے اسے وہاں سے نکالا جائے .... پاکستان میں اس قسم کی ملوکیت کی استبداد یا پیشوائیت کی خدائی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ ہم حریتِ فکر و نظر کے قائل ہیں اور تمام انسانوں کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں یکساں مواقع بہم پہنچانے کے حامی ہیں۔ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں میں بلند اقدار کی روح پھونک دے جنہیں قرآن پیش کرتا ہے اور جن کے بغیر کوئی قیادت اخلاقی اور روحانی ترقی نہیں کر سکتی۔

ظاہر ہے کہ جو شخص اس قسم کے خیالات رکھتا ہو وہ ملک کے مفاد پرست گروہ اور مذہبی رہنماؤں کی نگاہ میں سخت مبغوض اور مغضوب علیہ قرار پا جائے گا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ تھا کہ اس مفاد پرست گروہ، بالخصوص ملک کے مذہبی اجارہ داروں نے قوم کے اس محسن کے خلاف بڑا زہریلا پروپیگنڈا شروع کیا اور، جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، اُن کی یہ مہم ابھی تک جاری ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ غلام محمد صاحب کے استعفے سے ان لوگوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلیں گے۔ ہم محترم غلام محمد صاحب کی کمزوریوں سے بھی واقف ہیں۔ اور ہم میں کون ایسا ہے جس میں کمزوریاں نہیں۔ لیکن قرآن کا فیصلہ ہے اور اس کی صداقت پر کائنات کا طبعی قانون شاہد ہے۔ کہ حسنات کی اکثریت سیئات کے مضر اثرات کو مٹا دیا کرتی ہے۔ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ محترم غلام محمد صاحب نے مملکت پاکستان کی بہبودی اور ملت کے تحفظ کے لئے جو کچھ کیا ہے اس کے خوشگوار نتائج ان کی بعض کمزوریوں کے مضر اثرات پر غالب رہیں گے۔ خود میزانِ خداوندی میں بھی یہی دیکھا جاتا ہے کہ پلڑا حسنات کا بھاری ہے یا سیئات کا۔ کس کا تعمیری کام زیادہ ہے یا تخریبی کوششیں "فمن ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ"۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف خود غلام محمد صاحب نے قوم کے نام اپنے الوداعی پیغام میں اشارہ کیا ہے جہاں وہ کہتے ہیں کہ:-

> تمام نوعمر اقوام کو اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں ایسی پُرخطر گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے جو ان کی فنا اور بقا کے لئے فیصلہ کن مراحل ہوتی ہیں۔ میں اس بات پر فخر محسوس کرتا ہوں کہ مبداءِ فیض کی کرم گستری نے مجھے ایسے مواقع بہم پہنچائے کہ میں ملتِ پاکستانیہ کا سفینہ برگِ گل ان خطرناک گھاٹیوں سے بحسن و خوبی بچا کر لے گیا۔ اگرچہ اس کے لئے بعض اوقات مجھے ایسے اقدامات کرنے پڑے جنہیں سخت گیری سے تعبیر کیا جائے گا۔ میں نے جو کچھ کیا اس کا آخری فیصلہ تو ماضی کی تاریخ ہی دے گی لیکن اس کے چند نتائج جو اس وقت تک برآمد ہو چکے ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں۔ میرا ضمیر پاک اور صاف ہے کہ میں نے جو کچھ کیا اس کا جذبۂ محرکہ قوم اور ملت کی بہبود اور مرفہ الحالی کے سوا کچھ نہ تھا ...... میرے سامنے ہمیشہ یہی حقیقت رہی کہ ہماری موت اور حیات پاکستان کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ زندہ ہے تو ہم موت کے چنگل سے آزاد ہیں لیکن اگر یہ نہ رہے تو ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہ سکتا.... .... ہماری آنے والی نسلوں کا ہم پر یہ تقاضا ہے کہ ہم اس ملک کو ماضی کی روایات کا مظہر اور مستقبل کی شاندار امیدوں کا مرکز بنا کر جائیں۔

آپ غلام محمد کے اس الوداعی پیغام کی گہرائیوں میں جا کر دیکھیں تو صاف نظر آ جائے گا کہ یہ چند ڈھلے ہوئے فقرے نہیں جنہیں ایسے مواقع پر مشین کی طرح دُہرا دیا جاتا ہے۔ ان الفاظ میں خلوص اور جذبات کی شدت جھلکتی نظر آ رہی ہے۔ اور اس پیغام کا آخری ٹکڑا تو ایسا ہے کہ ممکن نہیں کہ اسے دیانتدارانہ طور پر پڑھا جائے اور ان کی آنکھوں میں آنسو نہ آ جائیں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ......

> میں جب آپ کو یہ مخلصانہ الوداعی سلام کر رہا ہوں تو میرے قلبِ حزین کو اس یقین سے بے حد تقویت پہنچ رہی ہے کہ جب میں مکافات کے دن خدا کے تختِ اجلال کے سامنے کھڑا ہوں گا تو میں نہایت عجز و انکسار کے ساتھ یہ کہنے کے قابل ہوں گا کہ میں نے کوشش کی کہ اپنی انسانی توانائیوں اور صلاحیتوں کی آخری حد تک اپنے ملک کی خدمت خلوص اور دیانتداری سے کروں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم غلام محمد صاحب کو اتنی صحت اور توانائی عطا فرمائے کہ وہ ملک کی جس مرفہ الحالی کے لئے اس قدر جگر کاوی سے کوشاں رہے ہیں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

چند حقائق

پچھلے دنوں پاکستان کی مجلسِ دستور ساز میں جس ہڑبونگ اور چھچھورا پن (بلکہ بالفاظِ صحیح، شہدہ پن) کا مظاہرہ ہوتا رہا ہے اس میں کسی شخص کا اپنے عقل و دماغ کے توازن کو قائم رکھنا من عزم الامور تھا۔ لیکن ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس اسمبلی میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس قسم کے "اضطرابِ موج" میں "سکونِ گہر" کی صلاحیت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ان میں محترم مشتاق احمد گورمانی کا نام ہمیں سرِفہرست نظر آتا ہے۔ ان کی وہ تقریر جو انہوں نے وحدتِ مغرب کی تائید میں کی، ایک پُرشور اور متلاطم سمندر میں روشنی کے مینارہ کی طرح دکھائی دیتی ہے

> بجو خزیدہ و محکم چو کوہ ساراں

واضح، مدلل، صاف، سلجھی اور نکھری ہوئی، یکسر حقائق پر مبنی۔ اور اس کے ساتھ ہی نہایت شگفتہ و شاداب، تقریر سن کر بے ساختہ کہنا پڑتا تھا کہ

> دیدہ ام مردے دریں قحط الرجال

اس تقریر کو یقیناً دنیا کے بہترین پارلیمانی مباحثات اور مذاکرات میں بطور نظیر پیش کیا جا سکتا ہے۔ مسٹر گورمانی نے جس محنت اور کاوش سے اپنے دعوے کی تائید میں حقائق فراہم کئے اور جس نظم و ربط اور اطمینان و سکون سے انہیں پیش کیا اس کے لئے وہ یقیناً مستحقِ تبریک و تہنیت ہیں۔ یہ تقریر اس قابل ہے کہ اسے غور سے پڑھا جائے اور بطور تاریخی یادداشت محفوظ رکھا جائے۔ طلوعِ اسلام کی تنگ دامانی گلہ سنج ہے کہ اس میں پوری تقریر کو سمیٹا نہیں جا سکتا ہے۔ ہم اس میں پیش کردہ چند حقائق دہراتے ہیں جن میں سے بعض ایسے ہیں جو غالباً پہلی مرتبہ پبلک کے سامنے آئے ہیں اور جو اس موضوع کے بڑے اہم گوشوں کو تاریکی سے روشنی میں لاتے ہیں۔

۲— انہوں نے اپنی تقریر کی ابتدا اس بصیرت افروز حقیقت سے کی کہ ہم نے جب ہندوستان میں اپنی جداگانہ قومیت کا دعویٰ کیا تھا تو اس دعوے کی بنیاد نہ جغرافیائی حدود پر تھی نہ وحدتِ نسل پر، نہ اشتراکِ زبان پر اور نہ وحدتِ رسوم و معاشرت پر۔ اس دعوے کی بنیاد اس اخوتِ اسلامی پر تھی جس کی رُو سے تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بن جاتے ہیں۔ یہ ہماری قومیت کا مدار تھا اور اسی کو مدار رہنا چاہیئے۔

اصل یہ ہے۔ جیسا کہ ہم طلوعِ اسلام میں دُہراتے رہتے ہیں، اگر اہلِ پاکستان کے سامنے صرف ایک یہی حقیقت رہے اور ملک کے رہنما اپنے قول و عمل سے اس حقیقت کو بار بار اجاگر کرتے رہیں تو ملت کی وحدت اور پاکستان کے استحکام کے لئے اس سے بڑی قوت کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ ہم نے پاکستان کا مطالبہ اسی بنیاد پر کیا اور اسی بنیاد پر اسے حاصل بھی کیا۔ لیکن جب یہ حاصل ہو گیا تو ہم نے (قرآن کی مثال میں) اس بڑھیا کی طرح جو دن بھر سوت کاتتی رہتی ہے

اور شام کو اس سوت کی انٹی کو خود بکھیر کر رکھ دیتی ہے۔ اس بنیادی وحدت کو خود اپنے ہاتھوں سے پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ اور اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک مغربی پاکستان کی وحدت کی تجویز اس ٹوٹے ہوئے رشتے کو پھر سے جوڑنے کی طرف پہلا قدم ہے۔ خدا کرے ہمیں اس میں کامیابی ہو۔ اور یہ پہلا قدم اس حسین عمارت کی تکمیل کا سنگ بنیاد ثابت ہو۔

۳۔ مشرقی بنگال میں ہندوؤں کے زہریلے پروپیگنڈے نے اس خیال کو عام کر رکھا ہے کہ بنگال کا صوبہ کمانے والا صوبہ ہے اور اس کی ساری کمائی مغربی پاکستان کی طرف چلی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ وہاں جایئے تو آپ کو ہر جگہ یہ گلہ شکوہ سنائی دے گا کہ مغربی پاکستان ہمیں لوٹ کھسوٹ کرلے گیا ہے۔ محترم گورمانی صاحب نے اعداد و شمار سے یہ بتایا کہ یہ پروپیگنڈہ کس قدر حقیقت کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا کہ ۱۹۴۸ء۔ ۱۹۴۹ء کے بجٹ میں کیفیت یہ تھی کہ مشرقی بنگال کا خرچ سولہ کروڑ تھا اور اس کی آمدنی صرف آٹھ کروڑ کے قریب۔ بقایا کمی مرکز کی طرف سے پوری ہوئی۔ اور اب بھی وہاں یہی حالت ہے کہ ان کی آمدنی کا پچاس فی صدی حصہ مرکز کی طرف سے جاتا ہے۔ اور اس طرح وہاں کا خرچ پورا ہو رہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مرکز کے پاس یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے؟ مسٹر گورمانی نے بتایا کہ مرکز میں اسی فی صدی روپیہ مغربی پاکستان سے جاتا ہے اور صرف بیس فی صدی مشرقی بنگال سے آتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ اعداد و شمار سرکاری طور پر شائع شدہ ہیں۔ لیکن اگر اس پر بھی کسی کو اُن کے متعلق کوئی شک و شبہ ہو تو وہ اس کے لئے ایک کمیشن مقرر کرالیں جو جانچ پڑتال کرلے کہ یہ اعداد و شمار صحیح ہیں یا نہیں۔

مشرقی بنگال کے بعد وحدتِ مغرب کے خلاف سب سے زیادہ شور صوبہ سرحد کی طرف سے اُٹھ رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ صوبہ سرحد کے ۱۹۴۸ء۔ ۱۹۴۹ء کے بجٹ کی یہ کیفیت تھی کہ وہاں کا خرچ ساڑھے تین کروڑ تھا اور ان کی آمدنی اسے کسی طرح بھی پورا نہیں کرسکتی تھی۔ چنانچہ مرکز نے قریب ایک کروڑ پندرہ لاکھ روپیہ دیا تو ان کا گزارہ ہوا۔

ایک گھر کے اندر کبھی یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ فلاں نے کیا کمایا اور فلاں نے کتنا کھایا۔ کمانے والا کما کر لاتا ہے اور اس کمائی کو مختلف افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لئے خرچ کردیا جاتا ہے۔ اس میں سے سب سے زیادہ خرچ اس نوزائیدہ بچہ پر ہوتا ہے جو ایک پیسہ بھی کما کر نہیں لاتا۔ لہٰذا جب زندگی ایک گھر کی سی ہو تو پھر اس قسم کی تفریق اور تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پاکستان بنایا ہی اس لئے گیا تھا کہ ہم ایک گھر کی سی زندگی بسر کریں۔ لیکن جب کسی گھر میں ایسے لڑکے پیدا ہو جائیں جو کمائیں تو بہت کم لیکن احسان سب سے زیادہ جتلاتے رہیں اور بات بات پر یہ کہہ اُٹھیں کہ ہمیں الگ کردو کیونکہ ہماری کمائی دوسرے کھا جاتے ہیں تو اس وقت یہ بتانا ہی پڑتا ہے کہ برخوردار! ذرا سمجھ سوچ کر بات کرو۔ دیکھو تو سہی تمہاری کمائی کتنی ہے اور خود تم پر کتنا خرچ آتا ہے۔

محترم گورمانی صاحب نے ان اعداد و شمار سے اس تلخ فریضہ کو یوں مشفقانہ طور پر ادا کیا۔ خدا کرے کہ اس گھرانے کے سرکش بچوں کی سمجھ میں یہ بات آجائے۔

۴۔ اس کے بعد محترم گورمانی صاحب نے بتایا کہ یہ جو شور مچایا جا رہا ہے کہ صوبہ سرحد پٹھانوں کا ہے۔ بلوچستان بلوچیوں کا ہے۔ اگر ان تمام صوبوں کو اکٹھا کر دیا جائے تو ان سب پر پنجابی چھا جائیں گے۔ یہ کس قدر غلط اور زہریلا پروپیگنڈہ ہے۔ انہوں نے بتایا کہ صوبہ سرحد میں صرف چالیس فی صدی پٹھان بستے ہیں اور وہاں کے ایک تہائی باشندوں کی زبان پنجابی ہے۔ بلوچستان میں بلوچیوں کی تعداد قریب ۲۵ فی صدی ہے۔ اس سے دُگنے بلوچی سندھ میں بستے ہیں۔ اور اکیلے پنجاب میں اتنے بلوچ ہیں جتنے کل باقی مغربی پاکستان میں ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں انہوں نے کہا کہ ذرا سوچئے کہ ان صوبوں کے متعلق یہ سمجھنا کہ ان میں خالصتاً الگ الگ نسل کے لوگ آباد ہیں کس قدر حقیقت کے خلاف ہے۔

جیسا کہ طلوع اسلام پہلے دن سے لکھتا چلا آیا ہے مسلمان کہلانے کے بعد اپنے آپ کو پنجابی، سرحدی، سندھی، بلوچی، یعنی نسلی امتیازات سے ممیز کرنا اسلام کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔ لیکن بدبختی سے یہاں ایسے عناصر موجود ہیں جو اسلام کے بعد بھی ہمیں دورِ جاہلیت کی طرف کھینچ کر لیجانا چاہتے ہیں۔ ان کے غلط پروپیگنڈے کی نقاب کشائی کے لئے ضروری ہے کہ ان اعداد و شمار سے بتایا جائے تمہارے یہ دعاوی کس قدر غلط ہیں کہ سرحد میں پٹھان بستے ہیں اور بلوچستان میں صرف بلوچ۔

۵۔ اس کے بعد محترم گورمانی صاحب تاریخ کی طرف آئے اور انہوں نے بتایا کہ ان صوبوں کی موجودہ تقسیم کس طرح عمل میں آئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ انگریزوں کی عملداری میں شروع میں پنجاب اور سرحد ایک ہی صوبہ تھے ۱۹۰۱ء میں خالصتاً استعماری مفاد کی بنا پر انہیں دو الگ الگ صوبے کیا گیا۔ اس تقسیم سے صوبہ سرحد پر کس قدر مضر اثر پڑا۔ اس کے لئے انہوں نے صاحبزادہ سر عبدالقیوم مرحوم کے بعض بیانات اور تقاریر کا اقتباس پیش کیا جن میں انہوں نے خود صوبہ سرحد کے باشندوں کو بتایا تھا کہ اس علیحدگی سے انہیں کتنا نقصان پہنچا ہے اور پنجاب علیحدہ ہو کر کس قدر آگے بڑھ گیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے سندھ کے متعلق بتایا کہ انگریزوں نے ۱۸۴۳ء میں اسے ہتھیایا اور بمبئی کے ساتھ ملا دیا۔ اس لئے کہ اس وقت ابھی پنجاب انگریزوں کی عملداری میں نہیں آیا تھا اگر اس وقت پنجاب انگریزوں کے پاس ہوتا تو سندھ کو پنجاب کے ساتھ ملایا جاتا نہ کہ بمبئی کے ساتھ۔

مشرقی بنگال کے متعلق انہوں نے کہا کہ تقسیم کے وقت مشرقی بنگال تین مختلف علاقوں پر مشتمل تھا یعنی سلہٹ کا ضلع جو آسام سے الگ ہوا تھا۔ چٹاگانگ کا کوہستانی علاقہ اور بقیہ مشرقی بنگال۔ ان تینوں کو مدغم کر کے مشرقی بنگال کا صوبہ بنایا گیا۔ اس کے خلاف نہ کوئی شور اٹھا نہ احتجاج کی صدائیں بلند ہوئیں۔ نہ کسی نے رائے عامہ کے استصواب کا مطالبہ کیا نہ اسمبلی میں دھواں دھار تقریریں ہوئیں۔ آٹھ سال سے یہ ادغام چلا آ رہا ہے اور وہاں نہایت حسن و خوبی سے کام ہو رہا ہے۔

۶۔ انہوں نے ایک اور دلچسپ بات یہ بتائی کہ جب سابقہ مجلس دستور ساز کی بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے اپنی رپورٹ مرتب کی تو اس کے خلاف مسٹر عطاء الرحمان اور شیخ مجیب الرحمان نے دسمبر ۱۹۵۲ء میں اخبارات میں ایک بیان دیا جس میں انہوں نے کہا کہ یوں تو مشرق اور مغرب میں مساوات کا شور مچایا جاتا ہے لیکن اس رپورٹ میں تجویز یہ کی گئی ہے کہ مشرقی بنگال تو ایک وحدت رہے اور مغربی پاکستان میں کم از کم نو وحدتیں ہوں۔ انہوں نے اپنے اس بیان میں کہا کہ صحیح طریق کار یہ ہے کہ مغربی پاکستان کی ان وحدتوں کو مٹا کر ایک وحدت بنا دی جائے اور اس طرح مشرقی اور مغربی پاکستان میں صحیح مساوات قائم کی جائے۔

خدا کی شان۔ اب وہی عطاء الرحمان اور مجیب الرحمان صاحب ہیں جو مغربی پاکستان کو ایک وحدت بنانے کے خلاف اس طرح نعل بر آتش ہو رہے ہیں۔

۷۔ مسٹر سہروردی کے ان متبعین کے بعد انہوں نے خود مسٹر سہروردی کے متعلق ایک ایسی بات کہی جو اس باب میں قول فیصل کا حکم رکھتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابھی مارچ ۱۹۵۵ء کی بات ہے کہ مسٹر سہروردی مرکزی حکومت کے وزیر قانون تھے۔ ان کے مشورے سے گورنر جنرل نے ایک حکمنامہ صادر کیا جس کی رُو سے مغربی پاکستان کی مختلف وحدتوں کو ملا کر ایک وحدت بنا دیا گیا تھا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ فیڈرل کورٹ نے یہ کہا کہ گورنر جنرل از خود اس قسم کا حکم نامہ جاری نہیں کرسکتے۔ یہ چیز پہلے مجلس دستور ساز میں پیش ہونی چاہیئے۔ اسی بنا پر وحدت مغرب کی تجویز التوا میں پڑگئی اور اب وہ مجلس دستور ساز کے سامنے پیش ہوئی ہے۔ لیکن جہاں تک مسٹر سہروردی کا تعلق ہے یہ حقیقت اپنی جگہ پر موجود ہے کہ وحدتِ مغرب کے متعلق ان کے مشورے سے ان کے احکام بھی جاری ہو چکے تھے۔ لیکن اب وہی مسٹر سہروردی ہیں کہ اس بل کی مخالفت میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا رہے ہیں۔

ہمارا خیال ہے (اور آنے والا مورخ یقیناً اس کی تصدیق کرے گا) کہ مسٹر سہروردی نے اپنی وزارت کے زمانہ میں اپنے طرز عمل سے لوگوں کے دل میں ایک مقام حاصل کر لیا تھا۔ لیکن جب انہیں وزیر اعظم نہیں بنایا گیا تو اس کے بعد انہوں نے جس قسم کی حرکتیں کی ہیں اس سے انہوں نے سیاسی خودکشی کرلی ہے۔ اس وقت، ان کی پارٹی کے چند افراد کے سوا، ملک میں شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جو ان کے متعلق بہتر رائے رکھتا ہو۔ اگر وہ وزیر اعظم نہ بننے کے

باوجود حزبِ اختلاف کی صفوں میں کھڑے ہو کر اس بل کی تائید کرتے تو وہ دیکھتے کہ ان کا مقام کتنا اونچا ہو جاتا۔

۸۔ بہرحال یہ ہیں وہ چند حقائق جنہیں ہم نے محترم گورمانی صاحب کی اس ٹھوس اور وزن دار تقریر سے پیش کیا ہے جو مدتوں تک بھلائی نہیں جا سکے گی۔ آپ ان حقائق کی روشنی میں اندازہ لگائیے کہ وحدتِ مغرب کی اسکیم کی مخالفت کرنے والے کس قدر حق بجانب ہیں اور ان کا یہ طرزِ عمل کس حد تک مملکت اور ملت کے لئے مفید قرار پا سکتا ہے

اُمید کی کرن

پاکستان اور افغانستان کے مابین تصفیہ ہو جانے پر ان دونوں ممالک میں ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلامی میں بالخصوص اور باقی دنیا میں بالعموم قلبی اطمینان کا اظہار کیا جائے گا۔ کابل کا وہ ہنگامہ جس نے ان دو ہمسایہ ملکوں کے تعلقات کو اس قدر خراب کر دیا تھا کہ معاشی مقاطعہ تک کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا۔ بین الاقوامی سیاست میں ایک بڑا ناخوشگوار قضیہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کابل میں مقیم تمام غیر ملکی سفیروں نے اس کی مذمت کی تھی۔ پاکستان اس اشتعال انگیزی پر بین الاقوامی ضابطے کے مطابق انتہائی اقدام کرنے میں بھی حق بجانب ہوتا لیکن ایسا نہیں کیا گیا اور ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے افغانستان کو پورا موقع دیا گیا کہ وہ اپنے کئے پر پشیمان اور آئندہ کے لئے محتاط ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان اس بردباری کا ثبوت نہ دیتا تو یہ دو مسلمان ہمسائے اچھے ہمسائے نہ رہتے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوتا تو اس کا فائدہ انہیں کو پہنچتا جو دونوں کے بدخواہ تھے۔ ان بدخواہوں نے اس کے باوجود ناجائز فائدہ اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ چنانچہ یہاں تک کہا گیا کہ افغانستان پاکستان کے قدرتی رستوں کو درانداز چھوڑ کر روس کے لمبے اور دشوار گزار رستوں کے ذریعہ بیرونی دنیا سے تجارت کر سکتا ہے۔ گو اس سلسلہ میں معاہدے بھی ہوئے لیکن پاکستان کی آسان اور قدرتی شاہراہوں کا کوئی جواب نہ مل سکا۔ گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں قدرت کا یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ افغانستان اور پاکستان کی نگاہوں کے زاویئے اور نظروں کی سمت مختلف نہیں ایک ہیں۔

اب ہرچند سفینہ کنارے پر آ لگا ہے اور دونوں ملکوں میں سابقہ تعلقات بحال ہو گئے ہیں اور توقع کی جا سکتی ہے کہ جیسا کہ دونوں ممالک نے ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ نہ کرنے اور تعلقاتِ باہمی کو بہتر بنانے کا عہد کیا ہے، یہ فتنہ پھر سے سر نہیں اٹھا سکے گا۔ لیکن جو کچھ ہوا اسے بآسانی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ تباہ کن ممکنات کا حامل تھا۔ اگر اس سے عبرت حاصل نہ کی گئی تو کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ مستقبل میں اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔

تاریخ و جغرافیہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو پاکستان اور افغانستان ایک ہی ملک نظر آتے ہیں۔ مسلمان ہونے کے اعتبار سے دونوں کے باشندوں میں گہرا قلبی رشتہ پایا جاتا ہے اس کے ساتھ قدرت نے بیڑی کا وہ حصہ جو افغانستان کا رخ پاکستان کی طرف موڑا ہے اور اب اس کے لئے باہر آنے کا راستہ صرف پاکستان ہے۔ یہ دو عوامل انہیں ایک کرنے اور ایک رکھنے کے لئے کافی ہونے چاہئیں تھے۔ لیکن سوءِ اتفاق سے قیامِ پاکستان کے بعد ان کے تعلقات میں کبھی مطلوبہ گرم جوشی پیدا نہیں ہو سکی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان میں کوئی شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے بلکہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آ جانے سے عالمِ اسلامی میں اتحاد و استحکام کے جو آثار پیدا ہو گئے تھے . . . .

. . . . انہیں کم کرنے کے لئے اعدائے اسلام نے موہوم خطرات پیدا کئے اور انہیں بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اس طرح ان دونوں میں غلط فہمی اور بداعتمادی کی ایک ناگوار شکل پیدا کر دی۔ پانچ ماہ پیشتر کابل میں جو ہنگامہ ہوا وہ اس تصادم کا منطقی نتیجہ تھا۔ لہٰذا جو تصفیہ ہوا ہے اسے صلابتِ مرض کا علاج تو کہا جا سکتا ہے لیکن یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ اس سے علتِ مرض بھی رفع ہو جاتی ہے۔ مکمل علاج کے لئے ضرورت ہے کہ اس کانٹے ہی کو نکال پھینکا جائے جس کی چبھن سارے جسم کو مضطرب و بےچین بنائے رکھتی ہے۔ جیسا کہ لکھا گیا ہے۔ افغانستان اور پاکستان میں کوئی تنازعہ نہیں اور دونوں کے مفاد مشترک ہیں۔ افغانستان معاشی طور پر پاکستان کا محتاج ہے کیونکہ اس کی معیشت کی فراخی کا دار و مدار پاکستان سے اچھے تعلقات رکھنے پر ہے۔ یہ احتیاج متذکرہ صدر مشترکہ عوامل کے ساتھ دونوں ممالک کے تعلقات کو استوار کر سکتی ہے بشرطیکہ یہ اجنبی اثرات سے پاک رہے۔ اجنبی اثرات کا ورود قبول ہمارے بس میں ہے۔ ہم ان کے قبول کرنے پر یقیناً مجبور نہیں۔ ان کو قبول کرنے کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ اس سے نہ محض افغانستان اور پاکستان کے درمیان مسلسل کشیدگی چلی آ رہی ہے۔ بلکہ یہ کشیدگی عالمِ اسلامی کے اتحاد میں زبردست رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے، اگر یہ دو ملک اس کشیدگی سے پاک ہوتے تو اتحادِ عالمِ اسلامی کی رفتار اتنی سست اور صبر آزما نہ ہوتی جتنی آج ہے۔

لیکن کیا یہ تصفیہ اس اتحاد کی تمہید ثابت ہو سکے گا؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب دونوں ممالک اور دیگر ممالکِ اسلامیہ کے رویہ پر منحصر ہے۔ لیکن ایسے آثار ضرور نظر آتے ہیں جن سے خوش فہمی وابستہ کی جا سکتی ہے۔ پاکستان اور افغانستان کی آٹھ سال کی کشیدگی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ دیگر ممالکِ اسلامیہ نے محسوس کیا کہ ان کے تعلقات کی ناہمواری مستحسن نہیں اور اس کا ازالہ ہونا چاہیئے، ان ممالک نے اس کا خالی احساس ہی نہیں کیا بلکہ اس کے لئے فوری عملی اقدام بھی کیا۔ مثلاً سعودی عرب کے نمائندے شاہزادہ عبدالرحمٰن بن مساعد نے بڑے خلوص اور تحمل سے مصالحت کی کوشش کی۔ انہیں مصر کے وزیر کرنل انور سادات کی رفاقت بھی حاصل ہو گئی اور دونوں نے مل کر ان ممالک کے اختلافات کو کم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ وہ اصولی طور پر کامیاب بھی ہو گئے۔ دراصل موجودہ تصفیہ ان کی مساعی کے بغیر ممکن نہ ہوتا۔ ان سے جو کسر رہ گئی تھی اسے ترکی نے پورا کیا۔ مساعیِ مصالحت میں ایران نے بھی دلچسپی لی۔ اس طرح کل پانچ مسلمان ملکوں نے مصالحت کے لئے خدمات پیش کیں یا باقاعدہ کوشش کی یہ صورت بڑی خوش آئند ہے۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ ممالکِ اسلامیہ کے دل کی گہرائیوں میں اتحادِ اسلامی کا خوابیدہ جذبہ بیدار ہو کر اب اس عمل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اسی بیداری کا نتیجہ ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کے دفاع کا ہیولیٰ تیار ہو رہا ہے۔ اب کے خد و خال پوری طرح ابھر آئیں اور تمام متعلقہ مسلمان ممالک اس سے وابستگی کا اظہار کر دیں تو وحدتِ اسلامیہ کی داغ بیل پڑ جائے گی۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں عالمِ اسلامی کے مصائب کا واحد حل اتحاد میں مضمر ہے۔ اگر پاکستان اور افغانستان کا تصفیہ اس منزل کی طرف قدمِ اول ثابت ہو تو یہ عالمِ اسلامی کی تاریخ میں اہم سنگِ میل ثابت ہوگا۔ اب سنگِ میل تک پہنچنے کی ذمہ داری صرف پاکستان اور افغانستان پر ہی نہیں بلکہ ان ممالک پر بھی ہے جنہوں نے اس تصفیہ کو چکانے کے لئے خدمات پیش کیں یا عملی کارروائی کی۔ درحقیقت ان کی پیش کش یا کوشش کا مضمر تقاضا یہی ہے۔

ماہنامہ طلوعِ اسلام کے

پرانے پرچے

ماہنامہ طلوعِ اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۹۵۰ء	اگست، ستمبر، نومبر، دسمبر
۱۹۵۱ء	جون، ستمبر، اکتوبر، نومبر
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری و اکتوبر کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزمہائے طلوعِ اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیئے جائیں گے۔

خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام۔ کراچی

تاریخی شواہد

(۳۱)

اس پر کہا گیا کہ جس کی صلاحیتیں اس حد تک تکمیل پا چکی ہوں اسے حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے لئے صلاحیتوں کے پرکھنے کا معیار بن جائے۔

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ (۲/۱۲۴)

(جب ایسا ہوا، تو) خدا نے فرمایا (اے ابراہیم!) میں تجھے انسانوں کے لئے امام بنانے والا ہوں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ معماروں کے پاس ایک چھوٹا سا اوزار ہوتا ہے۔ یعنی پیتل کے ایک چھوٹے سے لٹو کے ساتھ ایک لمبا دھاگا بندھا ہوتا ہے۔ اس سے وہ دیکھتا ہے کہ دیوار سیدھی اٹھ رہی ہے اور جنائی ہموار ہو رہی ہے۔ اسے امام کہتے ہیں۔ ایک بلند سیرت کا انسان (نبی) دوسروں کے لئے امام کا کام دیتا ہے۔

اس دعوتِ توحید کی ابتدا خود اپنے گھر سے ہوئی۔ ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو ایک عظیم الشان بت کدہ میں پایا۔ جس کا سب سے بڑا پجاری اپنا باپ تھا۔ انہوں نے باپ اور بت کدہ میں آنے والے دوسرے اصنام پرستوں کی اس حرکت کو حیرت و استعجاب سے دیکھا اور کہا کہ تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے جو اس کھلی ہوئی غلط روش پر چلے جا رہے ہو۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (۶/۷۴)

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا۔ کیا تم (پتھر کے) بتوں کو معبود مانتے ہو؟ میرے نزدیک تو تم اور تمہاری قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل سورۂ مریم میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْــًٔا ۝ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا ۝ یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ۝ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا ۝ (۱۹/۴۱-۴۵)

اور (اے پیغمبر!) الکتاب میں ابراہیم کا ذکر کر یقیناً وہ مجسم سچائی تھا اور اللہ کا نبی تھا۔ اس وقت کا ذکر جب اس نے اپنے باپ سے کہا: "اے میرے باپ! تو کیوں ایک ایسی چیز کی عبادت کرتا ہے، جو نہ تو سنتی ہے نہ دیکھتی ہے نہ تیرے کسی کام آسکتی ہے؟ اے میرے باپ میں سچ کہتا ہوں، علم کی ایک روشنی مجھے مل گئی ہے جو تجھے نہیں ملی پس میرے پیچھے چل میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں گا۔ اے میرے باپ غلط جذبات کی اطاعت نہ کر۔ یہ تو خدا سے سرکشی کے مظاہر ہیں۔ اے میرے باپ میں ڈرتا ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے تجھے سزا ملے اور تیرا حشر بھی سرکش انسانوں جیسا ہو جائے۔

بت خانے کا سب سے بڑا پجاری اور خود اپنے بیٹے کی زبان سے اس قسم کی باتیں۔ پہلے تو سمجھایا ہوگا لیکن جب دیکھا کہ بیٹا تو اس مسلکِ بت پرستی کا کھلا ہوا دشمن ہے تو کہا:

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ۝ (۱۹/۴۶)

باپ نے (یہ باتیں سن کر) کہا۔ "ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ یاد رکھ، اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر کے چھوڑوں گا۔ اپنی خیر چاہتا ہے تو جان سلامت لے کر مجھ سے الگ ہو جا۔

اگرچہ آج بھی مندروں کے پجاریوں، کلیساؤں کے راہبوں، اور خانقاہوں کے پیشواؤں کی حیثیت کچھ کم نہیں ہوتی۔ لیکن جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں، مندر کا پجاری اور مملکت کا بادشاہ یکساں حیثیت رکھتا تھا۔ بلکہ پجاری کا رتبہ بادشاہ سے بھی کچھ زیادہ ہی ہوتا تھا۔ بادشاہ اپنی بادشاہت کے لئے پجاری کی "آشیرباد" (دعا) کا محتاج ہوتا تھا۔ اس لئے ایک پجاری کے بیٹے کا اس مسلک سے انحراف، نہ صرف اسے "ملحد و بے دین" ہی بنا دیتا تھا بلکہ اس سے اتنا بڑا منصب و مقام بھی چھین لیتا تھا۔ یہ سب باتیں حضرت ابراہیمؑ کے سامنے تھیں اور انہی کے پیشِ نظر ان کے باپ کی یہ دھمکی بھی تھی۔ غور کیجئے کہ کتنی بڑی تھی یہ دھمکی اور کس قدر غصے سے لبریز! لیکن اس کا جواب کس قدر نرم و نازک انداز میں دیا گیا۔ فرمایا:

قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ٘ عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ۝ (۱۹/۴۷-۴۸)

ابراہیم نے جواب دیا۔ میں تو تیرے لئے بہرحال امن اور سلامتی ہی کا آرزومند رہوں گا۔ اور چاہوں گا کہ قانونِ خداوندی کی رو سے تیری حفاظت ہو جائے وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں نے تم سب کو چھوڑا اور انہیں بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ میں اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں، امید ہے، اپنے پروردگار کو پکار کر میں محروم ثابت نہیں ہوں گا۔

اگرچہ باپ نے اتنی شدید مخالفت کی تھی لیکن حضرت ابراہیم نے خیال کیا کہ یہ خشونت و برہمی اس عقیدت کی بنا پر ہے جو انہیں اپنے خداؤں سے ہے۔ ممکن ہے جب میری دعوت پر غور کریں گے تو رفتہ رفتہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی اور یہ اپنی اس کھلی ہوئی گمراہی سے باز آجائیں گے۔ یہ آرزو اسی خوشگوار توقع کی بنا پر تھی جو افسوس کہ غلط ثابت ہوئی۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم کو یقین ہو گیا کہ باپ اپنی گمراہی سے باز نہیں آئے گا تو اس سے اتنا سا تعلق بھی باقی نہ رہا۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ ۝ (۹/۱۱۴)

اور ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لئے حفاظت کی آرزو کی تھی تو صرف اس لئے کہ اپنا وعدہ پورا کر دے جو وہ اس سے کر چکا تھا۔ (یعنی اس نے کہا تھا) لیکن جب اس پر واضح ہو گیا کہ (اس کا باپ) اللہ کے قانون کا دشمن ہے (اور کبھی حق کی راہ اختیار کرنے والا نہیں) تو اس سے بیزار ہو گیا۔ بلاشبہ ابراہیم بڑا ہی دردمند، بڑا ہی بردبار (انسان) تھا!

باپ کے ساتھ کسی ذاتی معاملہ پر جھگڑا تو تھا ہی نہیں کہ گھر کی چار دیواری تک محدود رہتا۔ معاملہ آگے بڑھا تو حضرت ابراہیمؑ نے قوم کو بھی اسی طرح مخاطب کیا۔ سورۂ انبیاء میں ہے،

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ (۲۱/۵۱-۵۲)

(ہم ابراہیم کی اس بات سے بے خبر نہ تھے) جب اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن پر تم جم کر بیٹھ رہے ہو۔

اسلام کی سرگزشت

گذشتہ اشاعتوں میں عربوں کے خصائص اور زمانہ جاہلیت میں ان کی حیات عقلیہ کی کیفیت بیان کی جا چکی ہے

حیات عقلیہ کے مظاہر میں سے لغت زبان شعر و شاعری اور ضرب الامثال سے گفتگو کی جا رہی تھی کہ وہ کیونکر ان کی حیات عقلیہ پر روشنی ڈالتی ہیں۔ حالیہ صحبت میں ضرب الامثال اور عربی قصص اور کہانیوں سے گفتگو کی جا رہی ہے

(دوم) جانوروں کی کہانیاں۔ مثلاً لوگ کہتے ہیں کہ شتر مرغ اپنے لئے کہیں سے دو سینگ ڈھونڈنے کے لئے نکلا۔ واپس آیا تو اس کے دونوں کان بھی غائب تھے۔ چنانچہ بشار (شاعر) اس بارہ میں کہتا ہے ؎

میرا دل اس کا متلاشی ہوا تو وہ میرے دل پر مہربان ہوگئی اس نے قرضہ کے ساتھ
میرے دل کو بھی روک لیا۔
میں اس نوجوان شتر مرغ کی طرح ہوگیا کہ سینگ تلاش کرنے کے لئے نکلا تو اپنے
کان بھی کھو آیا۔

کہتے ہیں کہ شتر مرغ کو اسی لئے ظَلِیمٌ کہتے ہیں۔ اسی کی ایک دوسری مثال ہے۔ کہتے ہیں کہ کوا ہنس کی رفتار سیکھنے کے لئے نکلا وہ اس کی رفتار تو نہیں سیکھ سکا بلکہ خود اپنی رفتار کو بھول گیا۔ اس لئے وہ لنگڑا کر چلتا ہے۔ اور مینڈک کے دُم اس لئے نہیں ہوتی کہ گوہ نے اس کی دُم چھین لی تھی۔

لوگ کہا کرتے تھے کہ ہُدہُد کی ماں مر گئی۔ اس نے چاہا کہ اس کے مرجانے کے بعد وہ اس کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ اُس نے چاہا کہ اس کے مرجانے کے بعد وہ اس کے ساتھ نیک سلوک کرے اُس نے اسے اپنے سر پر رکھ لیا اور اس کے لئے کوئی جگہ تلاش کرتا رہا۔ وہ نعش اس کے سر پر ہی رہ گئی۔ چنانچہ ہُدہُد کے سر پر جو کلغی ہوتی ہے وہ اس کی قبر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بہت ہی بدبودار ہوتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ فاختہ نوح علیہ السلام کے عہد میں ایک چھوٹا سا بچہ تھی اُسے کسی شکاری جانور نے شکار کر لیا۔ ہر فاختہ اس بچے کو روتی ہے اور اسے پکارتی ہے مگر وہ اسے جواب نہیں دیتی کسی شاعر نے کہا ہے ؎

جیسے تم مدد کے لئے پکار رہے ہو وہ فاختہ کے بچے سے جلد تر جواب
دینے والا نہیں ہے۔

اس قسم کی کہاوتوں پر بھی ہماری گفتگو بعینہٖ وہی ہو جو اس سے پہلے ہم پہیلیوں اور چیستانوں کے بارہ میں کہہ چکے ہیں۔

کہانیاں

عربوں کے ہاں کہانیاں بھی تھیں۔ یہ اُن کے لٹریچر کا ایک بڑا باب تھا اور اس سے ان کی عقلیت کا پتہ نشان بہتر طور پر مل سکتا ہے۔ جاہلیت کی یہ کہانیاں مختلف قسم کی ہوتی تھیں۔

ایام عرب یہ ان جنگی حوادث کے گرد گھومتی ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے درمیان وقوع پذیر ہوئیں۔ مثلاً یوم داحس۔ یوم غبراء۔ یوم فجار۔ یوم کُلاب۔ یا وہ جنگی حوادث جو بعض عربوں اور دوسری قوموں کے درمیان وقوع پذیر ہوئیں۔ جیسے یوم ذی قار۔ یہ جنگ قبیلہ بنو شیبان اور ایرانیوں کے درمیان ہوئی تھی جس میں عرب فتحمند ہوئے تھے۔ زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام میں یہی قصے کہانیاں عربوں کی شبانہ قصہ گوئی کا موضوع تھے۔ رسول اللہ صلعم کے کسی صحابیؓ سے دریافت کیا گیا کہ "جب تم لوگ اپنی مجلسوں میں تنہا بیٹھتے تھے تو کیا کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم "شعر خوانی کیا کرتے تھے اور اپنے زمانۂ جاہلیت کی باتیں بیان کیا کرتے تھے"۔ ان ایام اور ان کے واقعات کو مشہور کتاب "العقد الفرید" اور "امثال المیدانی" میں جمع کر دیا گیا ہے۔ قصہ گو لوگوں نے بعض واقعات میں اضافے بھی کر دیئے ہیں اور بعض سچی باتوں میں رنگ آمیزیاں بھی کر دی ہیں۔ مثلاً وہ واقعہ جو ان قصوں کہانیوں میں ملتا ہے اور جس میں انہوں نے زبّاء کی موت کے واقعہ کو نقل کیا ہے۔ ان لوگوں کے بیان کردہ قصہ کا موازنہ جب اس واقعہ سے کیا جاتا ہے جو معتبر مورخین نے زنوبیا (Zenobia) سے نقل کیا ہے تو زبّاء کا وہ واقعہ جو عربی کتابوں میں ہشام بن محمد کلبی سے نقل کیا جاتا ہے محض ایک خیالی اور من گھڑت قصہ نظر آتا ہے۔ جو تاریخ سے کوئی مطابقت نہیں کھاتا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ گڑبڑ زمانۂ جاہلیت ہی میں خود عربوں نے کر دی تھی یا زمانۂ اسلام میں عربوں کے لٹریچر کو نقل کرنے والوں نے بعد میں یہ گڑبڑ پیدا کی ہے۔

قصے عشقیہ لٹریری کتابوں میں اس قسم کے قصے بہت ملتے ہیں۔ مثلاً وہ قصہ جو منخل یشکری اور متجردہ (نعمان کی بیوی) کے متعلق نقل کیا جاتا ہے کہ ان دونوں میں کیا تعلق تھا اور اس واقعہ کے بارہ میں کیا کیا کہانیاں نقل کی جاتی اور کیا کیا اشعار بیان کئے جاتے ہیں[1]۔

عربوں میں کچھ ایسے قصے بھی ملتے ہیں جو انہوں نے دوسری قوموں سے لے لئے تھے اور انہیں ایسے قالب میں ڈھال لیا تھا جو ان کے ذوق سے مطابقت رکھتا تھا جیسے شریک کے ساتھ منذر کا قصہ کہ اس کی تنگ حالی کے زمانہ میں منذر کے پاس ایک شخص آیا جس کا نام حنظلہ تھا۔ منذر نے اسے قتل کر دینا چاہا۔ حنظلہ نے یہ خواہش کی کہ اسے ایک سال کی مہلت دیدی جائے۔ منذر نے کہا کہ تمہارا ضامن کون ہوگا؟ شریک بن عمرو نے اس کی ضمانت دے دی۔ جب دوسرا سال آگیا تو وہ اپنی مجلس میں بیٹھا حنظلہ کا انتظار کر رہا تھا مگر حنظلہ نہیں آسکا۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ شریک بن عمرو کو لیجا کر اس کی گردن اڑا دی جائے۔ شریک کو قتل کرنے کے لئے لیجا رہے تھے کہ یکایک ایک آدمی آتا ہوا نظر آیا لوگوں نے اُدھر نظر جمائی تو وہ حنظلہ نکلا۔ منذر نے جب اسے دیکھا تو اسے حنظلہ اور شریک دونوں کی وفاءِ عہد اور شرافت پر حیرت ہوئی اور اس نے خوش ہو کر دونوں کو چھوڑ دیا۔ اور آیندہ سے یہ طریقہ ہی بند کر دیا کہ یوں کسی کی ضمانت لی جائے اور ضامن کو اصل مجرم کے عوض میں قتل کر دیا جایا کرے[2] الخ۔ یہ قصہ دراصل ایک یونانی کہانی سے لیا گیا ہے جو مشہور و معروف ہے۔ یا مثلاً یہ قصہ کہ زمانۂ جاہلیت میں قبیلہ بنو ضبہ میں کسی آدمی کے سات بیٹے تھے۔ وہ اپنے کتوں کو ساتھ لے کر شکار کے لئے نکلے۔ راستہ میں بارش آگئی اور ان سب نے ایک غار میں پناہ لی۔ اس غار کے دہانہ پر ایک بڑی پہاڑی چٹان گر پڑی اور یہ سب بھائی اس کے اندر رہ گئے۔ ان لڑکوں کا باپ ان کی تلاش میں نکلا اور ان کے نشانات قدم کی مدد سے اس غار تک پہنچ گیا جہاں پہنچ کر ان کے قدموں کے نشانات آگے نہیں ملتے تھے۔ اسے ان سب کی موت کا یقین ہوگیا اور وہ مرثیہ کے شعر پڑھتا ہوا وہاں سے لوٹ گیا[3]۔ یہ واقعہ اس واقعہ سے مکمل مشابہت رکھتا ہے جو عہد اوّل کے مسیحی قصوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کو بہت سے ایرانی قصوں اور کہانیوں کا علم ہو چکا تھا جنہیں وہ اپنی شبانہ قصہ گوئی کی مجلسوں میں بیان کیا کرتے تھے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ نضر بن حارث جو قریش کے شیطانوں میں سے ایک تھا اور رسول اللہ صلعم کو بہت ستایا کرتا تھا اور آپ کے بڑے دشمنوں میں سے تھا۔ وہ حیرہ میں جا چکا تھا اور وہاں رہ کر ایرانی بادشاہوں کے بہت قصے کہانیاں اور رستم و اسفندیار وغیرہ کے قصے سیکھ آیا تھا۔ جب رسول اللہ صلعم اپنی مجلس میں تشریف فرما ہوتے، خدا کا ذکر فرماتے اور اپنی قوم کو خدا کے اس عذاب سے ڈراتے جو ان سے پچھلی قوموں کو پیش آچکا تھا۔ تو آپ کے اُٹھنے کے بعد فوراً نضر بن حارث اسی جگہ بیٹھ جاتا اور کہا کرتا کہ اے قبیلہ قریش! میں محمد (صلعم) سے زیادہ اچھی باتیں بیان کر سکتا ہوں۔ میرے پاس آؤ میں تمہیں اس سے بہتر باتیں سناؤں گا۔ اور پھر وہ ایرانی بادشاہوں اور رستم و اسفندیار کے واقعے بیان کرنے لگتا تھا اور پھر پوچھتا کہ آخر میرے مقابلہ میں محمدؐ کونسی بہتر باتیں بیان کرتا ہے؟ یہ واقعہ نقل کر کے ابن ہشام نے کہا ہے کہ نضر بن حارث ہی — جہاں تک (باقی صفحہ پر)

---

[1] الاغانی ج ۱۸ صفحہ ۱۵۰ [2] الاغانی ج ۱۹ صفحہ ۸۶ [3] امالی القالی ج ۱ صفحہ ۹۱

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

باب دوم (مسلسل)

اس ضمن میں حضرت علامہ فرماتے ہیں:-

عقل ندرت کوش گردوں تاز چیست
ہیچ میدانی کہ ایں اعجاز چیست
زندگی سرمایہ دار از آرزو است
عقل از زائیدگانِ بطن او ست

یہ انسانی فکر جو ہر وقت نئے نئے تصورات پیدا کرتی اور نئی نئی چیزیں ایجاد کرتی ہے اور خاک کی پستیوں سے آسمان کی بلندیوں کی طرف اُڑتی ہوئی چلی جاتی ہے تمہیں کچھ معلوم ہے کہ یہ کس چیز کا اعجاز ہے جس نے انسانی عقل و فکر میں اس قسم کی ندرت کوشیاں اور گردوں تازیاں پیدا کردی ہیں؟ - یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ انسانی زندگی آرزو سے اُبھرتی ہے اور عقل آرزو ہی کے بطن سے پیدا ہوتی ہے - لہذا عقل کی یہ پرواز اور ندرت آفرینی آرزو ہی کی رہینِ کرم ہے۔

اس کے بعد کہتے ہیں

چیست نظمِ قوم و آئینِ رسوم　　چیست رازِ تازگیہائے علوم
آرزوئے کو بزورِ خود شکست　　سوز دل بیروں زد و صورت پذیرفت

مختلف افراد کا اپنی باہمی شیرازہ بندی سے ایک قوم بن جانا اور پھر اپنے اوپر آئین و رسوم کی پابندیاں عائد کرلینا۔ یہ سب کیا ہیں؟ نیز انسانی دنیا میں آئے دن نئے نئے علوم کے اضافے اور نئی نئی اختراعات و ایجادات - ان کے وجود کی علت کیا ہے؟ علت اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ انسان کے دل کی گہرائیوں سے آرزو کے فوارے اُبھرتے ہیں اور اپنے زور دروں سے مختلف قطرات میں منتقل ہوجاتے ہوں - وہ قطرے اُڑ کر ادھر ادھر گر پڑتے ہیں تو آن سے یہ تمام چیزیں متشکل ہوجاتی ہیں۔ یعنی نظامِ ملت قوموں کے آئین و دساتیر اور ان کے رسوم و روایات، یہ سب دل سے ابھرنے والی آرزو کے مختلف قطرے ہیں جو صحنِ کائنات میں ادھر ادھر بکھر جاتے ہیں - یہی نہیں بلکہ

دست و دندان و دماغ و چشم و گوش
فکر و تخییل و شعور و یاد و ہوش
زندگی مرکب چو در جنگاہ باخت
بہرِ حفظِ خویش ایں آلات ساخت

انسان نے جس قدر مختلف آلات ایجاد کئے ہیں جن سے وہ محسوس اشیائے کائنات کو اپنی گرفت میں لیتا ہے۔ یا اس کے ذہنی تصورات - اس کی فکر - اس کا تخییل - اس کا شعور - اس کا حافظہ - اور اس کا ہوش - عقل - فکر - خود آگاہی - یہ سب کیا ہیں؟ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ جب زندگی کشمکش کے میدان میں اتری تو اس نے اپنے تحفظ کے لئے یہ تمام آلات ایجاد کرلیے۔ یعنی کائنات میں محسوس ایجادات یا مجرد حقائق اور ان کے سمجھنے کے لئے انسانی فکر۔ یہ سب زندگی کی حفاظت کے سامان ہیں۔ اگر یہ چیزیں خودی کی حفاظت نہیں کرتیں تو ان کا کوئی مقصد نہیں۔ یہ تصور کہ آرٹ برائے آرٹ ہے، علامہ اقبال کے نزدیک بڑا غلط تصور ہے۔ آرٹ ہو یا حکمت، ان کے نزدیک اسی صورت میں کچھ قیمت رکھتے ہیں جب وہ خودی کے استحکام اور ارتقا کا ذریعہ بنیں۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ

آگہی از علم و فن مقصود نیست
غنچہ و گل از چمن مقصود نیست

علم و فن کا مقصد یہ نہیں کہ انسان کو کس قدر معلومات حاصل ہوگئیں اور وہ رموز و اسرار کائنات سے کس حد تک آگاہ ہوگیا۔ چمن کا مقصد صرف یہ نہیں کہ اس میں کتنے غنچے اور کتنے پھول پیدا ہوگئے - ان چیزوں کا وجود مقصود بالذات نہیں۔ یہ کسی اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں، اور جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، وہ اعلیٰ مقصد یہی ہے کہ یہ چیزیں کس حد تک زندگی کی خودی، استحکام اور بقا کا ذریعہ بنتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

علم از سامانِ حفظِ زندگی است
علم از اسبابِ تقویمِ خودی است

علم ان اسباب و ذرائع میں سے ہے جو زندگی کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کا مقصد خودی کو قائم رکھنا اور اس میں صحیح توازن پیدا کرنا ہے۔ لہذا

علم و فن از پیش خیزانِ حیات
علم و فن از خانہ زادانِ حیات

انسانی علوم و فنون، سب زندگی کے خدمت گزار ہیں۔ اگر یہ مقصدِ حیات کو پورا کرنے کا فریضہ سرانجام نہیں دیتے، تو یہ اپنی تخلیق کا مقصد پورا نہیں کرتے۔

اے ز رازِ زندگی بیگانہ خیز
از شرابِ مقصدے مستانہ خیز

اب وہ مسلمان سے مخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو زندگی کے راز سے بیگانہ ہوچکا ہے۔ اس راز کو سمجھ اور اس کے بعد عمل کی دنیا میں آ۔ یہ راز اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان کے سامنے ایک مقصد ہونا چاہیئے۔ حیات بلا مقصد موت ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ با مقصد زندگی بے مقصد زندگی سے یقیناً بہتر ہے۔ لیکن (جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں) مقصد اور مقصد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ مقصد ہی کا فرق ہے جس سے ایک زندگی حق کی علمبردار اور دوسری زندگی باطل کی پرستار بن جاتی ہے۔ اگر مقصد حق ہو تو اس کے حصول میں ہر قدم انسان کو ارتقائی منازل طے کراتا بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے اس سے کائنات کے تعمیری نقشے بنتے ہیں اور نوعِ انسانی فوز و فلاح حاصل کرتی ہے۔ لیکن اگر یہ مقصد تخریبی ہو تو اس میں ہر قدم کائنات میں فساد برپا کرتا اور دنیائے انسانیت میں خونریزیوں اور حق تلفیوں کا موجب بنتا ہے۔ اس لئے علامہ اقبال اس باب کے آخر میں اس کی وضاحت کر دیتے ہیں کہ وہ مقصد کس قسم کا ہونا چاہیئے۔

وہ کہتے ہیں کہ:-

مقصدے مثلِ سحر تابندہ لے　　ما سوا را آتشِ سوزندہ لے

ایک پاکیزہ اور بے داغ مقصد جو صبحِ صادق کی طرح چمکتا ہو۔ جس میں نور اور ٹھنڈک ہو جس سے زندگی کی نمود اور حیات کی تازگی مقصود ہو۔ یہ اس کا جمالیاتی پہلو ہے۔ دوسری طرف اس کے جلالی پہلو کی یہ کیفیت ہو کہ وہ دنیا میں حق کے سوا ہر شے کو جلا کر رکھ دے۔

مقصدے از آسماں بالاترے
دلربائے دلستانے دلبرے

وہ مقصد جو اپنی عظمت اور رفعت میں آسمان سے بھی زیادہ بلند و بالا ہو۔ جو انسان کو مادہ کی چار دیواری سے اوپر لے جائے۔ اور وہ طبقاً عن طبق زندگی کے ارتقائی مراحل طے کرتا شرفِ انسانیت کی معراجِ کمال تک پہنچ جائے۔ لیکن اس میں صرف حرکت اور حرارت ہی نہ ہو۔ بلکہ حسین اور دلکش بھی ایسی ہو کہ وہ ہر دیکھنے والے کی نگاہوں میں محبوب بنتا چلا جائے۔ مگر ایسا محبوب نہیں جس میں صرف لطافت و نزاکت ہی ہو۔

اقبال اور قرآن
(از پرویز) علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔
قیمت دو روپے

عورت کا قرآن

۲۷

(۸) متعدد عورتوں سے نکاح

"قرآن مجید نے" دو دو، تین تین، چار چار، کہہ کر بظاہر "مرد" کو اجازت دی ہے کہ وہ بیک وقت چار بیویاں کر یا رکھ سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ ایک زمانے میں بیویاں نہیں کی جا سکتیں۔ عام مروجہ خیال یہی ہے مگر بعض "منکترس" حضرات نے تو اس سے بھی زیادہ بیویاں کرنے کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یعنی کسی نے دو، تین، چار کو جوڑ کر نو بنا دیا ہے (۲ × ۳ × ۴ = ۹) اور بعضوں نے جو ان سے بھی زیادہ "علم اور عقل" رکھتے تھے انہوں نے کل اعداد کو جوڑ کر اٹھارہ نمبر تک پہنچا دیا۔ یعنی:-

دو دو	یعنی	چار ۴
تین تین	یعنی	چھ ۶
چار چار	یعنی	آٹھ ۸
	میزان	اٹھارہ

یہ انتہائی بالغ نظری کا ثبوت ہے اور بالغ نظری کی انتہا یہ ہے کہ انسان کو کچھ نہ نظر آئے۔ لہٰذا یہ مجتہدین ناقابلِ ذکر اور ناقابلِ اعتنا ہیں۔ بہرحال تعدد کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازمی شرط لگا دی گئی ہے کہ اگر ایک بیوی سے زیادہ کرو تو ان بیویوں میں "مساویانہ برتاؤ" رکھو اور "عدل وانصاف" کے ساتھ یکساں طور سے سب کے حقوق پورا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی ایک کی طرف جھک جاؤ اور بقیہ کو کس مپرسی کے عالم میں بے بس چھوڑ دو۔ اگر اس کا ذرہ سا بھی احتمال اور اندیشہ ہو کہ تم کسی سبب سے بھی ان عورتوں میں باہم "عدل" نہ کر سکو گے تو پھر قطعاً یہی مناسب ہے کہ "ایک ہی نکاح کرو" اور "ایک ہی عورت" کے ساتھ گزران کرو۔ اسی صورت میں اس کا زیادہ قرینہ اندازاً اور موقع ہے کہ تم خدا کے حکم کی خلاف ورزی نہ کر سکو گے کیونکہ تمہاری جبلی فطرت ہی ایسی بنائی گئی ہے کہ تم سے عورتوں کے معاملے میں قرار واقعی عدل نہ ہو سکے گا۔

یہ مضمون سورۂ نساء کے پہلے اور انیسویں رکوع کی دونوں آیتوں کو ملا کر مترتب ہوتا ہے۔ تعدد ازدواج کے سلسلے میں ان دونوں آیتوں سے، عورتیں زیادہ اور کچھ مرد بھی دو طرح کا مفہوم متعین کرتے ہیں۔

ایک طبقے کا کہنا ہے کہ جب مردانہ فطرت کے اظہار والی آیت نازل ہوئی تو پہلے رکوع والی آیت جس میں چار تک نکاح کی اجازت دی گئی تھی منسوخ ہو گئی۔ لہٰذا از روئے قرآن "مرد" کو صرف ایک ہی شادی کرنی چاہیئے۔ یہ وہ لوگ کہتے ہیں جو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ "قرآن مجید" میں منسوخ آیتیں بھی ہیں۔ حالانکہ یہ عقیدہ کہ قرآن میں منسوخ آیتیں بھی موجود ہیں، یعنی وہ آیتیں جو محض بیکار ہیں بجائے خود غلط ہے۔ "تنسیخ" کے معنی "تردید" کے ہیں۔ یعنی پہلے ایک بات کہی جائے پھر اس کو غلط کر کے یا بتا کے دوسری بات کہی جائے۔ بھلا یہ "انسان" سے تو ممکن ہے کہ پہلے غلط کہے پھر اس کی تردید کرے، لیکن یہ "خدا" سے کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے قول کی خود تردید کرے جبکہ وہ کوئی غلط بات نہیں کہتا اور کہہ ہی نہیں سکتا ہے؟ اس کی جو بات ہو گی وہ "حق" ہو گی، "اٹل ہو گی ہمیشہ کے لئے" ہو گی۔ لہٰذا انسانی معیار پر خدا کی بات کو جانچنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۹﴾ (نساء ۱۸)

"اللہ کی ساری باتیں سچی ہیں اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو گی؟"

نیز اگر واقعتاً یہ بات ہوتی کہ کوئی آیت اس میں ناسخ ہوتی اور کوئی منسوخ تو یہ لازمی بات تھی کہ دونوں آیتوں میں تضاد ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ کوئی آیت منسوخ نہیں ہے سورۂ نساء یعنی "عورت" ہی والی سورہ میں تو ہے کہ:-

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ﴿۰﴾ (نساء ۱۱)

کیا پھر تم لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا اور کسی کی طرف سے نازل ہوا ہوتا تو تم کثرت سے اس میں اختلاف پاتے۔

یعنی یہ اللہ ہی کے کلام کی صفت ہے کہ اس کے اقوال میں "اختلاف" نہیں پایا جاتا۔ ورنہ اور کسی کا قول ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس میں کہیں پر فرق نہ پڑے۔ اور چونکہ قرآن کے اندر جو کچھ کلام ہے اس میں کوئی فرق اور کہیں پر اختلاف نہیں پایا جاتا۔ لہٰذا یہی ثبوت ہے اس بات کا کہ قرآن، خدا کا کلام ہے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں کہیں پر تضاد اور اختلاف نہیں ہے لہٰذا اس کی کسی آیت کو بھی منسوخ سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ اس کے سارے احکام قائم اور اس کی کل آیتیں باقی اور ہمیشہ کے لئے یکساں قابلِ عمل ہیں۔ ناسخ و منسوخ کے سلسلے میں مولانا اسلم جیراج پوری نے "معارف القرآن" جلد اول کے دیباچے میں لکھا ہے کہ:

> مفسرین بالعموم قرآن میں نسخ کے قائل ہیں۔ چنانچہ بہت سی محکم آیتوں پر بھی نسخ کے احکام لگاتے چلے جاتے ہیں بلکہ جن لوگوں نے ناسخ و منسوخ پر کتابیں لکھی ہیں ان کی تو کوشش یہی معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر ہو سکے نسخ دکھلائیں ان کے بیان کے مطابق نصف بلکہ اس سے بھی زیادہ احکامی آیات منسوخ ہیں۔
>
> (صفحہ ۳۳)

بھلا کیا تماشا ہے کہ جس آیت میں خلافِ مرضی کوئی حکم دیکھا اور پایا اس آیت کو منسوخ کہہ کے جان چھڑا لی۔ قدما نے متفقہ طور پر اکیس آیتوں کو زیادہ سے زیادہ منسوخ قرار دیا تھا۔ علامہ سیوطی نے "اتقان" میں ان سب کو نظم کر دیا ہے۔ آخری دور میں شاہ ولی اللہ صاحب نے "نسخ" کا ایک معیار قرار دے کر صرف پانچ آیتوں کو منسوخ تسلیم کیا۔ مگر ان کے روحانی شاگرد مولانا عبید اللہ سندھی نے اسی معیار پر ان پانچوں آیتوں کو بھی جانچ کر دکھایا۔ بتایا، اور ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کی کوئی ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہے۔ لہٰذا تنسیخ کا عقیدہ سراسر غلط ہے۔

دوسرے طبقہ کا خیال ہے کہ "مرد" کی فطری کمزوری یہ بتا دی گئی کہ تم "عدل" کر ہی نہیں سکتے اگرچہ تمہاری خواہش اور کوشش کتنی ہی کیوں نہ ہو۔ پھر جب یہ قطعی فیصلہ ہو گیا کہ "مرد" فطری طور پر "عدل" کرنے سے بالکل معذور و مجبور ہے تو ایک سے زیادہ بیوی کرنا خود قرآن کے خلاف کرنا ہے یا ہو گا۔ یہ خیال اگرچہ درست ہے مگر سو فی صدی درست نہیں کیونکہ تب تو یہ ماننا ہو گا کہ خدا نے خواہ مخواہ اور یونہی مہمل چار نکاح کا ذکر کیا۔ بھلا جب خود خالق جانتا ہے کہ مخلوق کو جس طرح حکم دیا جا رہا ہے اس طرح لاکھ کوشش کے باوجود وہ کر ہی نہیں سکتا تو پھر اسے ایسا حکم دینے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جب خود خدا کو معلوم ہے کہ "مرد" عدل کر ہی نہیں سکتا تو اس نے یہ کیوں کہا کہ اگر "عدل" کر سکو تو چار بیوی تک کر سکتے ہو؟ آخر ایسی اجازت دینے کی ضرورت ہی کیا پیش آئی جس پر ارادے کے باوجود عمل کیا ہی نہیں جا سکتا؟ "مولوی" طبقے نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ "عدل" کا تعلق "دلی محبت و جذبات" سے ہے نہ کہ "ظاہری تعلقات" سے مطلب یہ ہے کہ معاملات اور ضروریاتِ زندگی میں ان بیویوں کے درمیان کوئی کمی و بیشی یا تخصیص و تفریق نہ کی جائے۔ البتہ میلانِ طبع، جذبۂ محبت اور دلی انسیت، بیک وقت ایک سے زیادہ کے ساتھ کوشش و ارادہ کے باوجود ناممکن ہے۔ اور سب کے ساتھ یکساں ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی لئے یہ فرمایا گیا کہ ایک طرف ڈھل نہ جانا۔ ایک سے زیادہ عورت کے ساتھ، بیک وقت یکساں رجحان و میلانِ طبع ممکن ہی کیسے ہے جبکہ

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ (احزاب ۱)

اور اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں دیئے ہیں۔

نہ بعض بزرگ اس سے بھی بہت آگے نکل گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے تکرارِ اعداد سے ایک سڑک پر چلا دیا ہے۔ یعنی دو دو۔ تین تین۔ چار چار اس سے آگے تم خود حسبِ ضرورت چلتے جاؤ پانچ پانچ۔ چھ چھ۔ سات سات۔ آٹھ آٹھ الیٰ غیر نہایہ۔

قرآن و حدیث

(علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ العالی)

حدیث کی دینی عدم حجیت کی بحث آج سے کم و بیش پچیس سال پہلے ہم نے شروع کی تھی۔ اس سے پہلے بھی لوگوں نے یہ بحث چھیڑی تھی، مگر وہ غیر علمی بنیادوں پر تھی۔ قائلین حدیث ہمارے مقابلہ کے لئے اٹھے اور انھوں نے مختلف صورتیں جواب کے لئے اختیار کیں۔ کئی اہل علم نے حدیث کی تدوین اور اس کی تاریخ پر کتابیں لکھ ڈالیں۔ ان کا خیال غالباً یہ تھا کہ حدیث کے حالات سے لوگ واقف ہو جائیں گے۔ تو ان کی عقیدت اس کے ساتھ پختہ ہو جائے گی۔ ان حضرات نے اپنی کتابوں میں حدیث کو دینی حجت ثابت کرنے پر بھی زور دیا۔ لیکن قرآن سے نہیں بلکہ اخبار و آثار اور بزرگان دین کے اقوال سے۔

بعض لوگوں نے یہ دکھلانے کی کوشش کی کہ حدیثیں عہد نبوی ہی سے لکھی جاتی رہی ہیں۔ اس کے ثبوت کے لئے انھوں نے گوشہ گوشہ سے ایسی روایتیں تلاش کر کے جمع کرنی شروع کیں جو کبھی بھی قابل اعتنا نہیں سمجھی گئی تھیں۔ انھوں نے بعض صحیفے بھی برآمد کئے۔ تعجب ہے کہ کیا ان لوگوں کی نگاہوں سے وہ حدیثیں نہیں گزریں جو منع کتابت حدیث سے تعلق رکھتی ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مجھ سے سوائے قرآن کے کچھ نہ لکھو۔ اور جو کچھ کسی نے لکھ لیا ہو تو اس کو مٹا ڈالے۔ تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مجموعہ تقریباً پانچسو حدیثوں کا لکھ رکھا تھا۔ ایک رات اس کے متعلق نہایت متردد اور مضطرب رہے۔ آخر صبح کے وقت اس کو آگ میں جلا دیا۔ ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات کی جلد خامس صفحہ ۱۴۰ میں لکھا ہے کہ فاروق اعظمؓ کے عہد میں جب حدیثیں زیادہ ہو گئیں تو حکم دیا کہ لوگ ان کے پاس لائیں۔ انھوں نے سب کو لے کر جلا دیا اور فرمایا کہ کیا اہل کتاب کی طرح تم بھی "مثناۃ" بنانی چاہتے ہو۔ حضرت عثمانؓ سے کوئی روایت بیان کرتا تو اس سے کہتے کہ مجھے اس سے معاف کرو۔ اور حضرت علیؓ کے سامنے جب کوئی حدیث بیان کرتا تو اس سے قسم لیتے۔ الغرض مرکز اسلام حدیث کی کتابت بلکہ اس کی روایت کے بھی ہمیشہ خلاف رہا۔ اور اس کو رد کرتا رہا۔ پھر یہ ان حضرات کی کیسی دیانت ہے کہ مرکز کے عمل کو نہیں دیکھتے۔ اور اس کے خلاف ان ضعیف روایات کو ہمارے سامنے سند میں پیش کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اس کی توجیہ میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ لکھنے والے اپنی یادداشت کے لئے لکھ رکھتے ہوں گے۔ یعنی ان کے لکھنے کی غرض ذاتی یادداشت تھی نہ کہ دینی تصنیف۔ پھر اس سے استدلال لانے کے تو کچھ معنے نہ ہوئے۔ میں نے روایت اور کتابت حدیث کے بارے میں اپنے مضمون "حقیقت حدیث" نیز "علم حدیث"[1] میں مفصل بحث لکھ دی ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے کہ یہ کام قرآن کی تعلیم کے خلاف اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار کے منشا کے منافی تھا۔ علمائے حدیث نے جو اس ممانعت کی توجیہ کی ہے کہ کتابت سے اس لئے روکا گیا کہ حدیث قرآن کے ساتھ مخلوط نہ ہو جائے، یہ توجیہ غلط ہے۔ اصل وجہ اس کی وہ ہے جو صحابہ کرام نے سمجھی کہ گزشتہ امتیں اپنے انبیاء کی حدیثیں لکھنے کی بدولت گمراہ ہو گئیں کیونکہ وہ انہی پر ٹوٹ پڑیں اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا۔ یہی بات قرآن سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہودیوں نے اپنے نبیوں کی روایتیں جمع کی تھیں۔ قرآن نے فرمایا وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ (۳/۲۴) ان کو دین میں دھوکا دیا ان باتوں نے جن کو وہ گھڑتے تھے۔ دوسرے مقام پر قرآن کہتا ہے نَبَذَ ۔۔۔۔ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ (۲/۱۰۱-۱۰۲) انھوں نے کتاب اللہ کو پس پشت اس طرح ڈال دیا کہ گویا اس کو جانتے ہی نہیں۔ اور ان باتوں کی پیروی کی جن کو کذابین سلیمان کی حکومت کے بارے میں سنایا کرتے تھے۔

بعض لوگوں نے ہمارے جواب میں عربوں کی قوت حافظہ کے قصے جو تاریخ کی کتابوں میں ہیں۔ شد و مد کے ساتھ پیش کئے۔ اور ان کو حدیث کے اعتماد کی دلیل گرداننے کی کوشش کی۔ انھوں نے یہ نہ سوچا کہ یہ کچھ عربوں کی خصوصیت نہیں ہے۔ جن قوموں میں کتابت کا رواج نہیں ہوتا ان میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی قومی روایات اور اشعار و قصص وغیرہ کو برزبان یاد رکھتے ہیں۔ پھر عربی ادب جاہلی کی تدوین کی تاریخ سے جو لوگ واقف ہیں جانتے ہیں کہ حفظ و اتقان میں عربوں کو کوئی مافوق البشری خصوصیت حاصل نہیں تھی۔ انھوں نے روایات، قصص اور اشعار میں بہت خلط ملط کیا ہے۔ اضافہ، الحاق، تحریف اور تبدیل کس چیز کے وہ مرتکب نہیں ہوئے ہیں۔ حافظہ کے جتنے عیوب ہیں وہ سب ان میں موجود تھے۔ اور ان کے ساتھ کذب و افترا بھی۔ یعنی خود اشعار گھڑ گھڑ کر اور قصے بنا کر دوسروں کے سر تھوپتے تھے۔ علاوہ بریں جن رواۃ حدیث کے لئے عرب کے حافظہ کی مدح سرائی ہوتی ہے وہ تو بالعموم عجم تھے۔ خاص کر ارباب صحاح ستہ میں سے تو ایک بھی عرب نہ تھا۔

ایک اہل حدیث مولانا صاحب نے میرے مضمون "علم حدیث" کے جواب میں ایک کتاب "برق اسلام" کے نام سے شائع کی۔ میرا یہ مضمون "تاریخی" ہے۔ مولانا صاحب موصوف نے میری لکھی ہوئی تمام حدیثوں کو محدثانہ طریقوں سے غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ خود بھی جو جواب لکھا ہے وہ روایتوں ہی سے لکھا ہے۔ غالباً ان کے خیال میں وہ سب صحیح ہیں۔ رہا قرآن تو یہ ان کے مبحث سے خارج ہے۔

بعض حضرات نے یہ الزامی جواب دیا ہے کہ اگر تم روایت کو نہیں مانتے تو تمہارے پاس قرآن کا کیا ثبوت ہے؟ ان کو سمجھنا چاہیئے کہ قرآن اور حدیث میں تین نمایاں فرق ہیں۔

(۱) قرآن پر ہر مسلمان ایمان رکھتا ہے۔ اور حدیث پر کوئی مسلمان ایمان نہیں رکھتا۔

(۲) قرآن اترا اور امت اس پر ایمان لائی۔ اور تواتر کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ ایمان لاتی چلی جاتی ہے اس لئے قرآن ہم تک ایمانی تواتر کے ساتھ پہنچا ہے۔ اس کے لئے روایت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

(۳) قرآن کی حفاظت کا اللہ نے خود ذمہ لیا ہے۔ اور اس کے ایک ایک کلمہ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور حدیثیں راویوں کے تصرف میں ہیں۔

جماعت اہل حدیث کے ایک مولوی صاحب نے میرا جواب لکھتے ہوئے تعصب میں آ کر اپنے اخبار میں میری تکفیر کی کوشش کی۔ میں نے دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں ان سے کہا کہ قرآن پر ہر مسلمان ایمان رکھتا ہے اور حدیث پر کسی مسلمان کا ایمان نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان قرآن اور حدیث میں فرق کرتا ہے تو آپ اس کو کافر کہنے کا حق نہیں رکھتے۔ اس لئے اپنے فتوے سے رجوع کیجئے۔ مگر میری بات ان کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ کیونکہ حدیثیں ان کا دین بھی تھیں اور دنیا بھی۔ حامیان حدیث نے اس بحث کی وجہ سے ہم کو "منکرین حدیث" کا خطاب دیا۔ جس کے جواب میں طلوع اسلام نے ان کو "منکرین قرآن"[2] کہا اس اصول پر کہ ؎

کلوخ انداز را پاداش سنگست

مگر یہ متعصبانہ اور غیر علمی باتیں ہیں اور قرآن کے فرمان "لاتنابزوا بالالقاب" کے خلاف ہیں۔ نہ وہ منکر قرآن ہیں، نہ ہم منکر حدیث۔ ہم حدیثوں کو مانتے ہیں۔ لیکن عام مسلمانوں کی طرح ان کو قرآن کے برابر نہیں سمجھتے۔ قرآن دین اور حدیثیں دینی تاریخ ہیں۔ دین کی رحل پر سوائے قرآن کریم کے کوئی کتاب نہیں رکھی جا سکتی۔ کیونکہ اس کتاب میں اللہ نے دین کو مکمل کر کے اعلان فرما دیا ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

وَرَضِيتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِينًا (۵/۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تمہارے اوپر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

اس تکمیل کے بعد اب دین میں کیا کمی رہ گئی جو روایتوں سے پوری کی جائے۔ اس لئے روایتوں کی جگہ دینی تاریخ کی الماری ہے۔ ان سے تاریخی اور علمی فائدے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اور فقہ اسلامی یعنی قوانین اور ضوابط کے استنباط میں کام لیا جا سکتا ہے۔ حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، اعمال و احوال وغیرہ بیان کئے گئے ہیں۔ اور اسی کا نام تاریخ ہے۔ بے شک قرآن کے احکام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عمل کر کے دکھا دیا اور امت کو سکھا دیا۔ اور جو سلسلہ بسلسلہ متواتر چلا آ رہا ہے۔ وہ یقینی اور دینی ہے کیونکہ تواتر یقینیات

[1] یہ دونوں مضامین متعدد جرائد میں بار بار شائع ہو چکے ہیں۔ اور ہمارے دینی علوم میں بھی ہیں جو میرے چند مضامین کا مجموعہ ہے۔ نیز ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے شائع شدہ کتاب "مقام حدیث" جلد اول میں بھی۔ (طلوع اسلام)

[2] ہاں! طلوع اسلام میں ایک مرتبہ ایسا لکھا گیا تھا۔ (طلوع اسلام)

کے اقسام میں داخل ہے۔ اسی کے بارے میں قرآن نے کہا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں اچھا نمونہ ہے

اسوہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کے احکام پر عملی نمونہ۔ لوگوں نے بعد میں اس کے لئے سنت کا لفظ استعمال کرنا شروع کیا جس کے معنی طریقہ کے ہیں پھر اس طریقہ میں تمام چیزیں داخل کرلیں اور سنت کے معنے حدیث کے لئے۔ اور حدیث پر عمل کرنے کو رسول کی اطاعت سمجھنے لگے۔ حالانکہ حدیثیں رسول نہیں ہیں۔ رسول پر ہمارا ایمان ہے۔ اور حدیثوں پر ایمان تو کیا یقین بھی نہیں ہے۔

آج تو مسلمانوں کی یہ حالت ہو کہ وہ قرآن وحدیث، فقہ بلکہ ملفوظات بزرگان کو بھی دین سمجھتے ہیں۔ لیکن اللہ نے تو صرف اپنی ہی کتاب کو دین کہا ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جابجا ہدایت فرمائی ہے

اِتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ

جو وحی تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اترتی ہو اسکی پیروی کر

اور یہ بھی تصریح فرمادی کہ وہ وحی قرآن ہے

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے میں تم کو آگاہ کروں اور ان لوگوں کو بھی جن کو یہ پہونچے۔

پھر آپ کی زبان سے اعلان کرایا۔

قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي

کہدے کہ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو وحی میرے پاس میرے رب کی طرف سے اترتی ہے۔

اور مسلمانوں کو بھی یہی حکم دیا۔

اِتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ

اسی کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے۔ اور دوسرے مولاؤں کے پیچھے نہ چلو۔

اس لئے یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ قرآن ہی امت اسلامیہ کی دینی کتاب ہو۔ جس کی پہلی آیت سورہ فاتحہ کے بعد ہے ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ یہ کتاب ہو جس میں کسی قسم کا شک نہیں اور جس کی صفت ہے إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ حقیقت یہ ہے کہ قرآن سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔ حدیث کے متعلق جو تحقیق اور تنقید سلف نے کی یا جو کچھ آج ہو رہی ہے ہم اس کے خلاف نہیں ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک یہ علمی اور تاریخی کوشش ہے۔ اس کو دینی تحقیق سمجھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ دین تو قرآن میں مکمل ہو چکا۔ ان روایات کو دین قرار دینے سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ ملت فرقوں میں بٹ گئی اور اس کی وحدت کا شیرازہ ٹوٹ گیا۔ اگر دین کا مدار صرف قرآن پر رہتا تو ایسا نہ ہوسکتا۔ میں جانتا ہوں آیات کے سمجھنے میں بھی اختلافات ہوسکتے ہیں لیکن یہ اختلافات صرف فہم کے ہوں گے عبارات کے نہ ہوں گے۔ اس لئے غور و فکر سے رفع ہو جائیں گے۔ اور فرقہ بندی نہ ہوسکیگی۔ کیونکہ قرآن اپنی تفسیر آپ ہے۔ سورہ ہود کی پہلی آیت ہے

كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ

عظیم الشان کتاب جس کی آیتیں محکم بنائی گئیں پھر اللہ کی طرف سے جو حکمت اور خبر رکھنے والا ہے۔ ان کی تفصیل کی گئی۔

اس لئے قرآن اپنی آیات کے حقیقی اور صحیح مفہوم متعین کرا سکتا ہے۔

ان کے علاوہ بعض ایسے صاحبان نے ہمارے جواب میں رسالے اور تحریریں شائع کیں جو جمود اور تقلید کی تاریکی میں ہیں اور جن کی آنکھیں علم اور دین کی روشنی میں ابھی تک نہیں کھلیں ہیں

نقطۂ بحث جہاں تک میں نے ان حضرات کے جوابوں پر نظر ڈالی ہے مجھے یہ معلوم ہوا کہ اصل مرکز بحث کو انھوں نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اور محض حدیث کی عدم حجیت کا نام سن کر گھبرا گئے اور چیخ پکار کرنے لگے۔ اس لئے اپنے دعوے کی مزید توضیح مناسب سمجھتا ہوں۔

(۱) میرا دعوے صرف یہ ہو کہ حدیث غیر یقینی ہے۔ اس لئے جواب لکھنے والوں کا فرض بھی صرف یہی ہے کہ وہ اس کو یقینی ثابت کریں۔

(۲) میری یہ بحث علمی ہے مذہبی نہیں ہے جس میں تعصب کو راہ دی جائے یعنی علمی حیثیت سے میں دیکھتا ہوں کہ حدیثوں پر یقین کرنے کی صورت نہیں ہے۔ اور وہ تمامتر مظنون ہیں۔ بیشک متواتر حدیث یقینی ہوسکتی ہے۔ لیکن ایسی ایک بھی حدیث موجود نہیں ہے۔ بعض محدثین نے جن دو چار حدیثوں کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے دراصل وہ مشہور روایتیں ہیں۔ متواتر کی تعریف ان پر صادق نہیں آتی۔[1]

ہماری یہ بحث نظری اور قیاسی نہیں ہے بلکہ بدیہیات پر مبنی ہے۔ اور اس کے لئے بڑے بڑے ائمہ حدیث کا طرز عمل ہی کھلا ہوا ثبوت ہو۔ مدینہ کے سب سے بڑے حدیث کے امام حضرت مالک بن انس تھے ان کی کتاب موطا اسلام میں سب سے پہلی حدیث و فقہ کی تصنیف ہو۔ جس کو انھوں نے سنہ ۱۳۹ھ میں لکھا۔ چالیس سال تک اس کو پڑھاتے رہے اور سنہ ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ اس کے شارح امام زرقانی لکھتے ہیں کہ جب امام موصوف نے اس کو مدون کیا تھا۔ اس میں چار ہزار حدیثیں تھیں۔ لیکن سال بہ سال وہ ان میں سے کاٹ چھانٹ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انکی آخری عمر کے نسخوں میں صرف ایک ہزار رہ گئیں۔ معلوم نہیں کہ اگر اور وہ زندہ رہتے تو ان میں سے بھی کتنی حدیثوں کی کمی کر دیتے۔ کیونکہ حدیثوں کو وہ ظنی ہی سمجھتے تھے۔ اور جب کوئی پوچھتا تو قرآن کی یہ آیت پڑھتے تھے۔

إِنْ نَظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ۔

ہم تو صرف گمان رکھتے ہیں۔ ہم کو یقین نہیں ہے

اسی طرح صحیح بخاری جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانی جاتی ہے۔ اس کے مقدمہ میں ہے کہ امام بخاری نے جب یہ کتاب لکھنی شروع کی تو چھ لاکھ حدیثوں میں سے جو ان کے پاس تھیں ۷۲۷۵ حدیثوں کو درج کیا۔ ان میں مکررات بھی شامل ہیں۔ اگر وہ نکال دی جائیں تو حافظ ابن حجر شارح بخاری کے بیان کے مطابق تعلیقات وغیرہ کو چھوڑ کر موصول السند احادیث کی تعداد اس میں ۲۷۶۲ رہ جاتی ہو۔ اب یہاں کئی باتیں غور کے قابل ہیں۔

(۱) جس ذخیرہ کا ۹۹ فیصدی قابل اعتبار نہ سمجھا گیا۔ اس کے ایک فیصدی پر کیوں کر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

(۲) ان لاکھوں حدیثوں کے غیر معتبر ہونے سے کس قدر بے شمار ان کے رواۃ خود بخود غیر معتبر قرار پا گئے۔

(۳) یہ ایک فیصدی کا انتخاب امام بخاری نے خود اپنے قیاس سے کیا۔ اور قیاس تو کسی بڑے سے بڑے عالم کا بھی یقینی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس کتاب سے متعدد حدیثیں لوگوں نے ایسی نکال ہیں جو بداہتاً صحیح نہیں ہیں۔ مثلاً کتاب الانبیاء میں انھوں نے یہ حدیث درج کی ہو۔ کہ حضرت سلیمان نے اس امید میں کہ ان کی ہر ہر بیوی ایک ایک مجاہد فرزند جنے گی ایک رات میں نوے بیویوں پر گشت کیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ راتیں اس زمانہ میں بھی کم و بیش بارہ ہی گھنٹوں کی ہوتی تھیں اگر ان میں سے نبی کی عبادت اور ضروریات کے لئے تین گھنٹے نکال دیئے جائیں تو نو گھنٹے رہ جاتے ہیں۔ نو گھنٹوں میں نوے یعنی فی گھنٹہ دس بیویوں پر بغرض تولید فرزند مجاہد گشت لگانا انسانی فطرت کے خلاف بلکہ ناممکن ہے۔

اسی کتاب الانبیاء میں اس طرح کی اور بھی حدیثیں ہیں جو صحت سے بعید ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ نے ملک الموت کو جب وہ ان کی جان نکالنے کیلئے آیا۔ ایسا تھپڑ مارا کہ واپس لوٹ گیا یا یہ کہ اللہ نے حضرت آدم کو ساٹھ گز کا پیدا کیا۔ جس کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ امم قدیمہ کے اخبار و آثار سے انسان کے اتنے لمبے قد کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس لئے اب تک اس کی کوئی توجیہ میری سمجھ میں نہیں آسکی۔

ایک بار اسی بحث کے سلسلہ میں ایک مولانا صاحب نے فرمایا کہ قرآن میں بھی بعض باتیں ایسی ہیں جو ہماری عقل میں نہیں آتیں۔ میں نے کہا کہ قرآن پر ہمارا ایمان ہے اس لئے اس پر تنقید نہیں کی جاسکتی

---

[1] تواتر بھی ہمارا یقینی نہیں ہوسکتا۔ مثلاً مسلمانوں میں طلاق دینے کا جو طریقہ رائج ہے وہ ان میں متواتر چلا آرہا ہو (یعنی تین طلاق خواہ وہ ایک نشست میں ہوں یا تین الگ الگ مجلس میں وقفہ کے بعد) لیکن یہ طریقہ قرآن کے بتائے ہوئے طریقے کے صریحاً خلاف ہو۔ لہذا اس کا تواتر سے مسلمانوں میں مروج چلے آنا اس کی دینی صحت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اور مثالیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ لہٰذا تواتر بھی وہی یقینی ہو جو قرآن کے مطابق ہو (طلوع اسلام)
[illegible]

بخلاف اس کے حدیثوں پر ایمان نہیں ہیں۔ اور وہ ہمیشہ سے زیرِ تنقید چلی آتی ہیں۔ علاوہ بریں آیات محکمات کی جو اصل کتاب ہیں کوئی بات ایسی نہیں جو عقل میں نہ آتی ہو۔ بے شک معجزات کی حقیقت اللہ نے قصداً ہماری نگاہوں سے اوجھل رکھی ہے۔ ان پر ہمارا ایمان لانا کافی ہے۔ کہنے لگے کہ اس کو بھی حضرت سلیمان کا معجزہ سمجھ لینا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ شاید معجزہ کی تعریف آپ کو معلوم نہیں اس کا اظہار علی الاعلان ہوتا ہے۔ میاں بیوی کے تعلقات معجزہ دکھلانے کا مقام نہیں ہیں۔

ائمہ حدیث کے نزدیک جو روایت ثقہ راویوں کے سلسلہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہو صحیح کہی جاتی ہے۔ لیکن یہ تو ایک اصطلاح ہوئی۔ حقیقی صحیح تو وہ روایت ہو سکتی ہے کہ راوی سلسلہ اسناد سے جس قول یا عمل کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مقدس تک پہونچاتا ہے۔ وہ نسبت یقینی ہو۔ راوی اگرچہ سب کے سب ثقہ ہوں۔ پھر بھی روایت مشتبہ یعنی غیر یقینی رہتی ہے۔ کیونکہ ثقہ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس سے جھوٹ کی قوت سلب ہو گئی اور خطا و نسیان اور غلطی و غلط فہمی سے بھی بری ہے۔ ثقہ بھی جھوٹ بول سکتے ہیں اور غلطی کر سکتے ہیں۔ اس لئے ان کا بیان بھی خبر ہے یعنی صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ اور بلا ثبوت کوئی پہلو یقینی نہیں ہو سکتا۔ تعجب یہ ہے کہ محدثین ثقہ راویوں کے سلسلۂ اسناد کو روایت کا ثبوت گردانتے ہیں حالانکہ سلسلۂ اسناد کی ہر کڑی بجائے خود ایک دعوے ہے جو ثبوت کا محتاج ہے۔ پھر یہ بے ثبوت دعاوی حدیث کی صحت کا ثبوت کیسے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کی پہلی حدیث کو لیجئے۔

حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا یحییٰ بن سعید الانصاری قال اخبرنی محمد بن ابراہیم التیمی انہ سمع علقمۃ بن وقاص اللیثی یقول سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ علی المنبر یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انما الاعمال بالنیات الخ

اس میں کتنے دعوے ہیں امام بخاری کہتے ہیں۔

(۱) ہم سے حمیدی نے کہا

(۲) حمیدی سے سفیان نے کہا

(۳) سفیان سے یحییٰ بن سعید نے کہا

(۴) یحییٰ کو ابراہیم نے خبر دی

(۵) ابراہیم نے علقمہ سے سنا

(۶) علقمہ نے عمر بن خطاب سے سنا

کیا ان دعاوی میں سے کسی کا ثبوت ہے۔ ہر ایک کے لئے اصولاً دو گواہ عادل درکار ہیں۔ جو بیان کریں کہ ہمارے سامنے فلاں سے فلاں نے یہ روایت انہی لفظوں میں بیان کی۔ خلفاء راشدین میں سے حضرات شیخین کسی صحابی سے جو ان کے سامنے روایت بیان کرتا شہادت طلب کرتے تھے۔ مگر عام طور پر روایتیں بے شہادت اور بے ثبوت چلتی رہیں۔ زیادہ تر راویوں کی ثقاہت پر ان کا مدار رہا۔ لیکن راویوں کا ثقہ ہونا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ان کی ثقاہت سے روایت کا وزن بڑھ جاتا ہے لیکن وہ ظنی ہی رہتی ہے یعنی غالباً صحیح ہو گی۔ اور جس روایت کے راوی ضعیف ہوتے ہیں وہ بھی ظنی ہی رہتی ہے مگر بے وزن یعنی غالباً موضوع ہو گی۔ محدثین نے جن روایات کو قطعی موضوع قرار دے کر ان کے مجموعے مدون کر دیئے ہیں وہ بھی ان کا تحکم ہے۔ اور یہ بات وہ ہے جس کو خود انھوں نے تسلیم کیا ہے۔ ملا علی قاری موضوعات کبیر کے صفحہ ۱۰ میں لکھتے ہیں۔

یہ (حدیثوں کی صحت) تمام تر وہ ہے جو محدثین کو اسناد پر نظر ڈالنے سے سمجھ میں آتی ہے
نہ یقین کی کوئی صورت نہیں کیونکہ عقل جائز رکھتی ہے کہ جس کو انھوں نے صحیح کہا ہے
وہ نفس الامر میں موضوع ہو اور جس کو موضوع کہا ہے وہ صحیح ہو۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ جو حدیث قرآن کے مطابق ہو وہ صحیح ہے اور اس مضمون کی ایک روایت بھی وہ سناتے ہیں مگر صحیح تو صرف وہ روایت ہو سکتی ہے کہ اس کی نسبت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔ وہ یقینی ہو۔ قرآن کے مطابق تو کسی راوی کا قول بھی ہو سکتا ہے۔

الغرض حدیثیں یقینی نہیں بلکہ ظنی اور تخمینی ہیں۔ اور آج کوئی صورت ہمارے پاس نہیں کہ ہم ان کے یقینی ہونے کا ثبوت بہم پہونچا سکیں۔ اور قرآن کہتا ہے۔

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا

ظن حق کی جگہ کچھ بھی کام نہیں دیتا ہے۔

اندرونِ ہند

ہندوستان کی سیکولر گورنمنٹ میں مسلمانوں کی ساتھ وہاں کے اکثریتی فرقہ کا کیا سلوک ہے؟ اس کے متعلق آئے دن اخبارات میں خبریں آتی رہتی ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں نہ ان کی جان و مال محفوظ ہے۔ نہ ان کی ثقافت اور مذہب۔ یہ سب کچھ نہرو گورنمنٹ کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ جو دنیا میں ہندوستان کی امن پسندی کا ڈھنڈورا پیٹتے پھرتے ہیں۔ مگر ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ وہ ملک جہاں ایک گائے ذبح کر دینے پر ہنگامے بپا ہو جاتے ہوں۔ وہاں انسانی خون کی اس قدر ارزانی افسوسناک ہے۔ یہ مرقع ان لوگوں کے لئے بھی وجہ دیدہ کشائی ہو سکتا ہے جو بات بات پہ کہتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں نے ہندوستان سے علیحدہ ہو کر بہت بڑی غلطی کی۔ انھیں الگ پاکستان نہیں بنانا چاہیئے تھا۔ وہ ذرا دیکھیں کہ آج ہندوستان میں مسلمانوں کا کیا حشر ہو رہا ہے۔

صوبہ بہار میں مسلمان عید نہیں منا سکے

معاصر الجمعیۃ اپنی اشاعت مؤرخہ ۲۷ اگست ۱۹۵۵ء کے اداریہ میں "مسلمانانِ بہار کی بپتا" کے عنوان سے لکھتا ہے:۔

"اس سال عید الاضحیٰ کے موقع پر بہار کے بہت سے مقامات میں مسلمانوں کو مشکلات سے دوچار ہونا پڑا اور وہ عید کا تہوار آزادی اور خوشی کے ساتھ نہ منا سکے۔ قربانی کے سلسلہ میں وہاں کے مسلمانوں پر پولیس نے بہت زیادتی کی، ہو سکتا ہے کہ گائے کی قربانی کے سلسلہ میں حکام نے سخت قدم اٹھایا ہو، مگر ہمیں مستند ذرائع سے جو مطبوعہ اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ پولیس نے ضرورت سے زیادہ مسلمانوں کو پریشان کیا۔ جس سے متاثر ہو کر وہاں کے مسلمانوں نے اس صورتِ حال پر غور کرنے کے لئے جلسے کئے اور حکومت کو اپنی بپتا سنائی۔ ہماری اطلاعات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سال اکثر مقامات پر ملٹری پولیس اور ہوم گارڈ کے دستوں نے پہرے دیئے جو صوبہ بہار کے لئے ایک نئی بات ہے۔ اوریا میں مسلمانوں نے نماز عید ادا نہیں کی۔ کئی اشخاص گرفتار کر کے ضمانت پر رہا کئے گئے، عوام پر امن رہے، صرف حکام کی وجہ سے خلفشار پیدا ہوا۔ کانگریسی حضرات بھی اس تماشہ کو دیکھتے رہے۔ اور ان میں سے کوئی شخص بھی مسلمانوں کی ہمدردی کے لئے نہ نکلا بستی میں پولیس پہلے سے متعین کر دی گئی۔ کچھ مسلمان گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ الیاس نام کے ایک شخص کو بری طرح پیٹا گیا۔ لطیف کی بیوی کو پولیس نے بندوق کے کندوں سے اس بری طرح پیٹا کہ وہ جانبر نہ ہو سکی اور شہید ہو گئی۔ گاؤں کے چھ سو مویشی دوسری جگہ بھیج دیئے گئے۔ ۵۰ مسلمانوں کو گرفتار کر کے اوریا بھیج دیا گیا۔ فارس گنج میں بھی مسلمان عید نہ منا سکے۔ بہت سے مسلمانوں کو عید سے ایک روز پہلے ہی گرفتار کر کے اوریا بھیج دیا گیا۔ اسی طرح بسمتیا، پوکھر بستی، دولونیا، ڈومریا، ٹیا ٹولہ، مرزاپور وغیرہ میں بھی یہی واقعات پیش آئے اور مسلمانوں کو سخت پریشان کیا گیا۔"

کاوا ضلع مظفرپور میں مسلمانوں کی اندھا دھند گرفتاریاں

معاصر الجمعیۃ دہلی مؤرخہ ۴ ستمبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں جمعیۃ علماء صوبہ بہار کی مفصل رپورٹ کا خلاصہ شائع کرتے ہوئے "کاوا ضلع مظفرپور کے واقعہ بقرعید کی رپورٹ بھی بڑی دردناک تھی" کے عنوان سے لکھتا ہے:۔

پٹنہ (ڈاک سے) کاوا ڈیہہ تھانہ پانے پور ضلع مظفرپور میں پولیس نے جس طرح بقرعید کے دن مسلمانوں کو گرفتار کیا۔ اور گاؤں کے مکھیا، سرپنچ اور دو اور دوسرے مسلمانوں کو اب تک حدودِ تھانہ سے باہر جانے کا جو سخت آرڈر ہے۔ اس سے مسلمان وہاں بہت ڈرے ہوئے ہیں۔ اب بھی چھ مسلمانوں کی ضمانت نہیں ہو سکی ہے۔ اور مذبح وغیرہ کے باوجود یہاں کے مسلمانوں کو کسی بھی جانور کی قربانی نہ کرنے کا حکم پولیس کی طرف دیا گیا۔ حالانکہ واقعہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس علاقہ میں مسلمان ہر سال قربانی کرتے چلے آئے ہیں۔

کوٹہ کے فساد میں مسلمانوں کا ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے کا نقصان
فساد مقامی حکام کی مرضی سے ہوا

معاصر الجمعیۃ دہلی اپنی ۱۲ ستمبر ۵۵ء

میں جمعیۃ علمائے ہند کے وفد کی رپورٹ کا تذکرہ کرتے ہوئے کوٹہ کے فسادات کا یوں تذکرہ کیا ہے:۔

• جمعیۃ علمائے ہند کا جو وفد ۸ر ستمبر کو کوٹہ گیا تھا کل شام دہلی واپس پہنچ گیا۔ اس وفد میں حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ناظم تنظیم جمعیۃ علمائے ہند اور مسٹر عزیز احمد شریک تھے۔ وفد نے چند روز کوٹہ میں قیام کرکے حالات کا جائزہ اور برباد شدہ دکانوں کو دیکھا۔ جو تعداد میں تقریباً ۹۰ ہیں اور تمام اقلیتی فرقہ کی ہیں۔ مختلف مقامات پر مسلمانوں کے کچھ تانگے بھی شرپسندوں نے جلا ڈالے تھے جن کو وفد نے دیکھا۔

وفد کے لیڈر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے نامہ نگار کو بتایا کہ ۳ و ۴ ستمبر کی درمیانی شب میں ایک ہندو لڑکے کے پراسرار قتل نے کوٹہ کے فرقہ پرست حلقوں میں کافی اشتعال پیدا کر دیا تھا۔ قاتل کا سراغ تو اب تک نہیں مل سکا ہے۔ لیکن اس موقعہ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے شرپسندوں نے اقلیت پر اس کا الزام رکھنے اور شہر میں اشتعال پھیلانے کی کوشش کی۔ یہ بتایا گیا ہے کہ مقتول لڑکا اپنی حرکتوں کے باعث کوٹہ میں کچھ نیک نام نہ تھا۔

۴ر ستمبر کی صبح سے ہسپتال میں مقتول کی لاش تقریباً دوپہر تک کھلی رکھی رہی۔ پوسٹ مارٹم بہت تاخیر سے کیا گیا۔ عوام ہسپتال پہونچتے لاش کو دیکھتے اور مشتعل ہوتے رہے۔ پوسٹ مارٹم کے بعد کچھ لوگوں کے کہنے پر حکام نے لاش کا جلوس نکالنے کی اجازت دیدی۔ مصلحت وقت کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔ جن راستوں سے جلوس نکالنے کی اجازت دی گئی تھی ان کو چھوڑ کر قصداً دوسرے راستوں سے جلوس لے جایا گیا۔ پولیس ساتھ گئی۔ لیکن حکام نے اس کو بھی روک تھام نہ کی۔ یہ جلوس قصداً ایسے راستوں سے گذرا جہاں مسلمانوں کی دوکانیں تھیں۔ تالے توڑنے اور بربادی مچانے کا سامان بھی جلوس کے ساتھ تھا۔ اور پولیس بھی ساتھ رہی۔ جلوس میں شریک غنڈوں نے بہت آزادی کے ساتھ مسلمانوں کی تمام دوکانوں کے تالے اور کواڑ توڑے، اور دکانوں پر رکھے ہوئے سامان کو پورے اطمینان کے ساتھ برباد کیا۔ یہ ماتمی جلوس رنگ رلیاں مناتا اور بربادی مچاتا ہوا گزر گیا۔ تب حکام نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کی اور اس کے بعد کچھ گرفتاریاں بھی کی گئیں لیکن کسی مجرم کو جرم کرتے وقت گرفتار نہیں کیا گیا۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ شہر میں پھیلی ہوئی افواہوں کے باعث مسلمانوں نے پہلے ہی اپنی دوکانیں بند کر رکھی تھیں اور اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے تھے۔ ۴ر ستمبر کی رات سے کرفیو آرڈر کا نفاذ بھی ہو گیا اور اس کے بعد کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ اور حالات آہستہ آہستہ اعتدال پر آ گئے۔ اگرچہ اقلیت میں خوف و ہراس غیر معمولی ہے اور زبردست مالی بربادی کے باعث بعض گھرانے تو بالکل محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند کے وفد نے حکام کو توجہ دلائی کہ برباد شدگان کو اہلیت کے طور پر کچھ امداد دی جائے اور اقلیت کا خوف و ہراس دور کرنے کے لئے شریف اور صاف دماغ ہندو مسلمانوں کا اعتماد حاصل کیا جائے۔ وفد نے کوٹہ کانگریس کمیٹی کو بحالی امن و امان کے لئے متوجہ کیا۔ لیکن افسوس کہ کانگریس کمیٹی کے ذمہ داروں نے اس موقعہ پر پوری دلچسپی نہیں لی۔ برباد شدہ دوکانداروں نے اپنے اپنے مالی نقصان کی فہرستیں حکومت کے سامنے پیش کر دی ہیں۔ ان فہرستوں کے مطابق مالی نقصان کی میزان ایک لاکھ ساٹھ ہزار تک پہنچتی ہے۔ جمعیۃ علمائے ہند کے وفد نے مسلمانوں کو پرزور تلقین کی ہے کہ وہ اس مصیبت کے موقعہ پر پورے صبر و سکون سے کام لیں۔ پرامن رہیں۔ اور خدا کے بھروسے پر اپنے اندر ہمت و جرأت پیدا کریں۔ اور خوف و ہراس کو دلوں سے نکال دیں۔

پیپسو میں مسلمانوں کی آخری مسجد کو بھی بند کیا جارہا ہے

الجمعیۃ بنام ناظم اعلیٰ — مورخہ ۸ر ستمبر ۱۹۵۵ء

جمعیۃ علمائے ہند کا ایک خط شائع ہوا ہے جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

• سال گزشتہ جب میں پٹیالہ گیا تھا۔ تو میں نے وہاں کے مسلمانوں کی خواہش پر پیپسو اسٹیٹ کے چیف منسٹر آنجہانی کرنل رگھبیر سنگھ جی کو توجہ دلائی تھی کہ مسلمانان پٹیالہ کی عبادت کے لئے کم از کم ایک مسجد کھول دی جائے۔ تاکہ وہ اس میں آسانی کے ساتھ عبادت کر سکیں چنانچہ چوبیس گھنٹہ کے اندر مسجد واقع شاہ نشین کھول کر مسلمانوں کے حوالہ کر دی گئی۔ اب تک مسلمان اس میں کافی تعداد میں پانچوں وقت اپنے رب العزت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عبادت کرتے ہیں۔ لیکن اب جبکہ ملک میں عموماً اور پٹیالہ میں خصوصاً امن و امان کی فضا پیدا ہو چکی ہے۔ اور وہاں کے بچے کھچے مسلمان عافیت کے ساتھ زندگی گذار رہے ہیں۔ اس وقت حکومت پیپسو نے سنٹرل لائبریری کے لئے مسلمانوں کی بہت بڑی عبادت گاہ کو منتخب کیا ہے۔ اور اس کے احاطہ میں لائبریری مذکورہ کی عمارت کی تعمیر کا کام شروع کرا دیا ہے۔ عیدگاہ مذکور کے بالکل سامنے راشٹر پتا مہاتما گاندھی کی یادگار ہے۔ جس میں ان کا مجسمہ بھی نصب ہے۔ یہ بات اور بھی قابل افسوس ہے کہ اس عظیم المرتبت شخصیت کی یادگار کے سامنے اس کے پرستاروں کے ہاتھوں ان اصولوں کا خون ہو رہا ہے جس کی خاطر انھوں نے اپنی جان عزیز تک قربان کر دی۔

اس سلسلہ میں مسلمانان پٹیالہ نے متعلقہ حکام کے علاوہ چیف منسٹر صاحب گورنمنٹ پیپسو اور بھارت کے ہوم منسٹر و ایجوکیشن منسٹر کی خدمت میں درخواستیں روانہ کی ہیں۔ جن پر ہنوز بظاہر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ جس سے وہاں کے مسلمانوں میں مایوسی اور ہراس دوبارہ پیدا ہو رہا ہے۔ میں پیپسو کے چیف منسٹر شری برش بھان جی اور بھارت کے وزیر خارجہ و وزیر تعلیم حضرت مولانا آزاد سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس طرف خصوصی توجہ فرما کر تعمیر مذکور کو فوراً روک کر مسلمانان پٹیالہ و ہند کے ہراس اور مایوسی کو دور فرمائیں:

لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے اردو میں خبریں نشر کرنے کا مطالبہ مسترد کر دیا گیا

معاصر الجمعیۃ دہلی مورخہ

۸ر ستمبر ۱۹۵۵ء میں پہلے صفحہ پر مندرجہ بالا عنوان سے ایک خبر شائع ہوئی ہے جس کی دوسری ذیلی سرخیاں یہ ہیں: دوسری علاقائی زبانوں کی نشریات کا سوال حکومت کے زیر غور ہے" راج سبھا میں وزیر اطلاعات ڈاکٹر کیسکر کا بیان: حیدرآباد اور کشمیر اسٹیشنوں سے اردو میں خبریں نشر ہوتی ہیں: اس کے بعد یہ خبر دی گئی ہے۔ جو درج ذیل ہے:۔

• وزیر اطلاعات ڈاکٹر کیسکر نے آج راج سبھا میں مولانا محمد میاں فاروقی کی اس دلیل کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ لکھنؤ ریڈیو سے بھی اردو خبروں کا ایک بلیٹن شائع ہونا چاہیئے۔ ڈاکٹر کیسکر نے مولانا موصوف کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اردو خبروں کے بلیٹن آل انڈیا ریڈیو کے حیدرآباد اور کشمیر ریڈیو اسٹیشنوں سے براڈکاسٹ ہوتے ہیں۔ اس سے قبل ڈاکٹر کیسکر کے پارلیمنٹری سکریٹری نے مسٹر راج گوپالن سے کہا کہ علاقائی زبانوں میں علاقائی بلیٹن نشر کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔ ڈاکٹر کیسکر نے کہا کہ اب تک ریڈیو خبریں خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔ لیکن اب نامہ نگاروں کے ذریعہ بھی خبریں حاصل کی جائیں گی۔

باب المراسلات

مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ

طلوع اسلام بابت ۲۳ جولائی ۱۹۵۵ء کے باب المراسلات میں ایک صاحب کے استفسار کے جواب میں ہم نے مختصر الفاظ میں یہ بتایا تھا کہ قرآن میں جن غلام اور لونڈیوں کا ذکر ہے۔ وہ وہی تھیں جو اس زمانہ میں عربوں کے معاشرہ میں موجود تھیں کیونکہ اس کے بعد قرآن نے غلامی کا دروازہ ہی بند کر دیا۔

(۲) ہمارا خیال تھا کہ اس مختصر سی وضاحت سے بات صاف ہو گئی ہو گی۔ لیکن اس کے بعد ہمیں ایک خط انہیں مستفسر کی طرف سے اور ایک خط ایک اور صاحب کی طرف سے موصول ہوا جس سے معلوم ہوا کہ بات مزید تشریح کی متقاضی ہے یہ سطور اسی تشریح کی غرض سے سپرد قلم کی جا رہی ہیں۔

(۳) سمجھنے کی خاطر اس سوال کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ یعنی (۱) ظہور اسلام سے پہلے کی حالت (۲) ظہور اسلام سے لیکر اس وقت تک کی حالت جب قرآن میں جنگ کے قیدیوں کے متعلق یہ حکم نازل ہوا کہ انہیں احساناً یا فدیہ لیکر چھوڑ دینا ہو گا۔ اور اس طرح قرآن نے غلامی کے دروازہ کو بند کر دیا اور (۳) اس حکم کے بعد کی صورت۔

(۴) جہاں تک غلامی کے سوال کا ہمارے موجودہ معاشرے سے تعلق ہے۔ اس سوال کی کوئی اہمیت ہی باقی نہیں۔ قرآن نے غلامی کے دروازہ کو بند کر دیا۔ اس لئے غلام اور لونڈیوں سے متعلق احکام کی آج کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اب جنگ کے کسی قیدی کو نہ غلام بنایا جائے گا۔ نہ ان کی عورتوں کو لونڈیاں۔ انہیں اول و آخر رہا کرنا ہو گا۔ اور جب تک وہ رہا نہ کئے جائیں۔ جنگی قیدیوں کی طرح رہیں گے (یہ ہے شق (۳) کی بات)

(۵) جہاں تک زمانۂ قبل از اسلام کا تعلق ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ عربوں کے ہاں غلام بھی تھے۔ اور لونڈیاں بھی وہ ان لونڈیوں سے بلا نکاح جنسی اختلاط رکھتے تھے۔ اور یہ رسم ان کے معاشرہ میں معروف (RECOGNISED) تھی جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو ان کے گھروں میں ان کی بیویوں کے علاوہ لونڈیاں بھی موجود تھیں۔ ہمیں تاریخ میں کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی۔ نہ ہی قرآن میں کوئی ایسا حکم ملتا ہے جس میں ان مسلمان ہونے والے عربوں سے کہا گیا ہو کہ وہ اپنی ان لونڈیوں کے ساتھ جو ان کے ہاں موجود تھیں باقاعدہ نکاح کریں۔ اس کے برعکس قرآن میں ازواج اور مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کی دو الگ الگ شقیں بیان ہوئی ہیں (اس کی تفصیل ذرا آگے چل کر آئے گی) جس سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ لونڈیاں ازواج سے الگ تھیں۔

(۶) ان قرائن سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن نے ان لونڈیوں کو ان کے گھروں میں علی حالہٖ رہنے دیا۔

(۷) ظہور اسلام کے وقت سے اس زمانہ تک جب قرآن میں جنگی قیدیوں کے متعلق ہدایت نازل ہوئی ہے مسلمانوں میں غلام اور لونڈیاں موجود تھیں لیکن قرآن میں ان لونڈیوں سے نکاح کرنے کا حکم آیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ اس دوران میں لونڈیوں سے بلا نکاح تمتع جائز نہیں تھا۔

(۸) تصریحات بالا سے یہ واضح ہے کہ بات سمٹ سمٹا کر صرف اتنی رہ جاتی ہے کہ زمانہ قبل از اسلام میں جن لوگوں کے پاس لونڈیاں تھیں اور وہ مسلمان ہوئے تو کیا انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ان لونڈیوں سے باقاعدہ نکاح کریں۔ یا ان کی قدیم رسم کے مطابق انہیں ان کے ہاں علی حالہٖ رہنے دیا گیا جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے طلوع اسلام کا خیال ہے کہ انہیں علی حالہٖ رہنے دیا گیا تھا۔ لیکن ہمارے مذکورہ صدر ہر دو مستفسرین کا خیال ہے کہ اُن سے بھی نکاح کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ اس سوال کی پوزیشن تاریخی ہے صورت یوں پیش آئی تھی کہ ان عربوں میں مسلمان ہونے کے بعد بھی ان کی عہد جاہلیت کی کئی رسومات اس طرح سے باقی رہیں۔ اسلام نے ان میں سے غلط رسومات کی رفتہ رفتہ اصلاح کی۔ جب تک کسی رسم کے مٹانے کا حکم نہیں آتا تھا وہ علی حالہٖ جاری رہتی تھی۔ مثلاً قرآن نے مومن عورت کا نکاح مشرک مرد سے ناجائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس حکم سے پہلے اس قسم کے نکاح عام طور پر ہوتے تھے۔ خود نبی اکرم صلعم نے اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح مشرک لڑکوں سے کیا تھا۔ لیکن قرآن میں جب اس کی ممانعت آ گئی تو پھر یہ سابقہ رسم ناجائز قرار پا گئی اور ختم کر دی گئی۔ بنا بریں اگر عرب کے مسلمان ہونے والے لوگوں سے اس کا مطالبہ نہ بھی کیا گیا ہو کہ وہ اپنی لونڈیوں سے اسلامی طریقہ کے مطابق نکاح کریں تو بھی اس سے دین پر کوئی حرف نہیں آتا۔ دین نے ہونے اختلاط کو نکاح کے بغیر ناجائز قرار دیا اور غلامی کو بند کر دینے کے بعد سرے سے اس سوال ہی کو مٹا دیا۔ قطع نظر لونڈیوں کے جو عرب مسلمان ہوئے تھے ان کے ہاں جو بیویاں تھیں۔ ان کے ساتھ ان کا نکاح بھی اسلامی طریقے کے مطابق نہیں ہوا تھا۔ عہد جاہلیت میں عربوں میں نکاح کے قریب نو طریقے رائج تھے۔ جن میں سے قرآن نے آٹھ طریقے ناجائز قرار دیئے۔ لیکن تاریخ کہیں نہیں بتاتی کہ ان آٹھ طریقوں کے مطابق جو عورتیں ان کی بیویاں بن چکی تھیں۔ ان سے اسلامی طریقہ کے مطابق تجدید نکاح کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ اگر ان کا ان پرانی رسموں کے مطابق بیویاں بنے رہنا معیوب نہ سمجھا گیا۔ تو اسی قسم کی ایک پرانی رسم کے مطابق لونڈیوں کو علی حالہٖ رہنے دینے میں بھی کوئی قباحت نہیں سمجھی گئی ہو گی۔ اصل یہ ہے کہ ہم اس سوال کو اپنے موجودہ نفسیاتی ردعمل کے ماتحت دیکھتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں ان امور کو اس زمانہ کے حالات کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے۔

(۹) ہم نے اوپر لکھا ہے کہ قرآن نے بعض مقامات میں ازواج اور ما ملکت ایمانکم میں فرق کیا ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ دیکھا جائے کہ قرآن نے ملک یمین کی اصطلاح کو کن کن معنوں میں استعمال کیا ہے ما ملکت ایمانکم کے معنے ہیں "وہ جو تمہارے زیر اختیار ہوں"۔ اب دیکھئے کہ قرآن نے اس سے کیا مفہوم لیا ہے۔

(الف) قرآن میں یہ اصطلاح ان لوگوں کے لئے بھی آئی ہے جو کسی کے ماتحت کام کرتے ہوں یا گھر کے ملازم اور خدمت گذار ہوں۔ حوالہ کے لئے دیکھئے آیات نمبر ۲۴/۳ و ۱۲/۱۶، ۳۳/۳۱، ۲۴/۵۸، ۳۰/۲۸۔

(ب) یہ اصطلاح غلام اور لونڈیوں کے لئے بھی آئی ہے۔ جو ان کے معاشرہ میں اس زمانہ میں موجود تھیں حوالہ کے لئے دیکھئے ۴/۲۵، ۳۳/۳۳ ان سے قرآن نے نکاح کا حکم دیا ہے۔

(ج) خود نکاح کرنے کے معنوں میں بھی یہ اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ جیسا کہ سورۂ احزاب میں نبی اکرم صلعم کے متعلق

اسلامی تاریخی ناول

طارق رئیس احمد جعفری

تاریخ اسلام کا تابناک صفحہ، شجاعت اور خود اعتمادی کا بےمثل مرقع۔ اسلام کے جذبۂ کشش کی دل افروز داستان جوش جہاد اور جذبۂ قربانی کی نہ بھولنے والی کہانی، فرض اور ایثار کا لازوال کارنامہ

۶۰۰ صفحات۔ مجلد رنگین گرد پوش۔ قیمت چھ روپے

الیوبی (غازی صلاح الدین) رئیس احمد جعفری

مصر کا فرمانروا، بیت المقدس کا فاتح، جس کے بازوئے شمشیر زن نے یورپ کی تمام متحدہ طاقتوں کو سرنگوں کر دیا، جس کے نام کا ہوا بنا کر صدیوں یورپ کی مائیں بچوں کو سلاتی رہیں، جس کا تہور، رواداری اور استقامت و شجاعت تاریخ کے نہ مٹنے والے نقوش ہیں جس کی زندگی ناقابل فراموش، شاندار اور یادگار واقعات کا ایک مرقع ہے جس پر اپنوں کو فخر اور غیروں کو حیرت

مجلد رنگین گرد پوش۔ قیمت پانچ روپیہ بارہ آنے

فاتح خیبر (رئیس احمد جعفری)

جس نے کفر کو شکست دی شرک کی یلغار کو روکا جس نے ہر کٹھن اور نازک وقت میں جہاد، ایثار، استقامت اور تہور کا ثبوت دیا جس نے اسلام کی حرمت و عظمت پر اپنی زندگی قربان کر دی۔

مجلد رنگین گرد پوش۔ قیمت پانچ روپیہ بارہ آنے

نفیس اکیڈمی ۔ ۔ ۔ اسٹریٹ ۔ کراچی

کہا گیا ہے کہ

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ (۳۳/۵۲)

ظاہر ہے کہ یہاں مالکت یمینک سے مراد حضور کی ازواج مطہرات ہیں جو آپ کے عقد نکاح میں آ چکی تھیں۔ لہٰذا یہ اصطلاح نکاح کے معنوں میں آئی ہے۔

(۵) سورۂ نساء میں جہاں ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت کا ذکر ہے وہاں کہا ہے کہ

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (۴/۳)

یہاں واحدۃ تو بیوی کے لئے آیا ہے۔ اس لئے أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ان لونڈیوں کے لئے ہی ہو سکتا ہے جو اس حکم سے پہلے ان کے ہاں موجود تھیں۔

(۶) اسی طرح اسی سورۂ نساء میں جہاں محرمات کی بابت خبر دی گئی ہے۔ وہاں آخر میں کہا گیا ہے کہ

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (۴/۲۴)

یہاں اگر محصنٰت کے معنی شوہر دار عورتیں لئے جائیں۔ تو مالکت ایمانکم سے مفہوم ہوں گی وہ لونڈیاں جن کے شوہر کہیں پہلے موجود تھے۔ لیکن وہ کسی طرح ان کی غلامی میں آ گئی تھیں۔ البتہ اگر محصنٰت کے معنے پاک دامن عورتیں لئے جائیں تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بجز ان پاک دامن عورتوں کے جو تمہارے اپنے نکاح میں آ چکی ہوں۔ دوسری عورتیں جن سے تمہارا نکاح نہیں ہوا وہ تم پر حرام ہیں۔

(۷) اب آگے بڑھئے۔ سورۂ المومنون میں ہے

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ۔ (۲۳/۶) بعینہ یہی الفاظ ۷۰/۳۰ میں بھی آئے ہیں۔

ان آیات میں ازواج اور مالکت ایمانہم میں صاف فرق بتایا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ احزاب میں آیا ہے

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ (۳۳/۵۰)

یہاں بھی یہی فرق موجود ہے۔

مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ میں دو قسم کی لونڈیاں آ جاتی ہیں۔ ایک وہ جو ظہور اسلام سے پہلے ان لوگوں کے ہاں موجود تھیں۔ دوسری وہ جو ظہور اسلام کے بعد ان لوگوں کے ہاں آئیں۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں ظہور اسلام کے بعد کسی لونڈی سے بلا نکاح جنسی اختلاط جائز نہیں تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب کسی لونڈی سے نکاح کر لیا جائے تو وہ ازواج کے حکم میں آ جائے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان آیات میں جن مالکت ایمانہم کا ذکر ہے۔ ان سے مراد قبل از اسلام کی لونڈیاں تھیں۔ جنہیں ان کے گھروں میں علیٰ حالہٖ بنے دیا گیا تھا۔ انہیں لونڈیوں کا ازواج سے الگ ذکر کیا گیا ہے۔

(۸) بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ قرآن نے نکاحی بیویوں ہی کی دو شقیں بتائی ہیں۔ یعنی جن آزاد عورتوں سے نکاح کیا جاتا تھا۔ انہیں ازواج کہا گیا ہے اور جن لونڈیوں سے نکاح کیا جاتا تھا۔ انہیں بغرض امتیاز بدستور مِلکِ یمین (یعنی لونڈیاں) ہی کہا گیا۔ مولوی چراغ علی مرحوم نے اسی خیال کی تائید کی ہے لیکن ہم اس سے متفق ہونے میں اس لئے متامل ہیں کہ ہمارے نزدیک اسلام جیسے وسیع القلب اور مساوات کی تعلیم دینے والے دین سے بعید نظر آتا ہے کہ وہ ایک لونڈی کو بذریعہ نکاح بیوی بن جانے کے بعد بھی لونڈی ہی کہہ کر پکارے جب اس نے غلاموں کو مسلمان ہو جانے کے بعد غلام کہہ کر نہیں پکارا تو وہ لونڈیوں کو ہمیشہ کے لئے لونڈیوں کے لقب سے ہی کیوں متعارف کراتا؟ اس نے انہی لونڈیوں کو لونڈیاں کہا جو زمانہ جاہلیت میں لونڈیوں کی حیثیت سے عربوں کے ہاں موجود تھیں۔ اور وہ ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد بھی لونڈیوں ہی کی حیثیت سے ان کے گھروں میں رہیں۔

البتہ اس باب میں ایک آیت ایسی ہے جو دشواری پیش کرتی ہے۔ اور وہ ہے سورۂ احزاب کی وہ آیت جس میں نبی اکرم صلعم سے کہا گیا ہے کہ

إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ (۳۳/۵۰)

اس آیت میں بھی ازواج اور ملک یمین میں فرق کیا گیا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ کے ہاں زمانہ قبل از اسلام کی رسم کے مطابق کوئی لونڈی نہیں تھی۔ آپ کے تمام نکاح بجز حضرت خدیجہؓ کے ظہور اسلام کے بعد ہی ہوئے۔ ان میں وہ ازواج مطہرات بھی شامل تھیں جو مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ کے ماتحت آتی ہیں۔ ان سے بھی حضورؐ نے آزاد عورتوں کی طرح نکاح کیا تھا۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کا ذکر ازواج سے الگ کیوں کیا گیا۔

بعض کا کہنا یہ ہے کہ ازواج انہیں کہا گیا ہے جو آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ کے تحت آتی ہیں۔ یعنی جن کا مہر ادا کر دیا گیا ہو بالفاظ دیگر جن لونڈیوں سے مہر کے ساتھ نکاح کیا جائے۔ وہ ازواج میں داخل ہوں گی اور جنہیں مہر نہ دیا جائے۔ انہیں ما ملکت ایمانکم کہا جائے گا۔ لیکن قرآن نے لونڈیوں کے معاملہ نکاح کے لئے بھی مہر کی شرط رکھی ہے جیسا کہ فرمایا

فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (۴/۲۵)

البتہ اسی آیت کے ابتدائی الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لونڈیوں کی صورت میں مہر کی رقم آزاد عورتوں کے مہر کی نسبت کم ہوتی تھی قرآن نے یہ بھی کہیں نہیں کہا کہ مالک اپنی لونڈی سے بلا مہر نکاح کر سکتا ہے۔ قرآن میں بلا مہر نکاح کا ایک ہی واقعہ بیان ہوا ہے اور وہ نبی اکرم صلعم کی ذات کے لئے مخصوص تھا۔ جیسا کہ سورۂ احزاب میں فرمایا ہے کہ

وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ (۳۳/۵۰)

بہرحال یہ ہے مالکت ایمانکم کی پوزیشن جسے ہم قرآن سے سمجھ سکے ہیں۔ اگر کوئی صاحب ہمارے اس فہم قرآن سے متفق نہ ہوں اور وہ اس مسئلہ کو قرآن کی روشنی میں صاف کرنا چاہیں تو طلوع اسلام ان کی تصریحات کو بخوشی شائع کرے گا۔ اس حقیقت کو ایک مرتبہ پھر سمجھ لینا چاہیے کہ سوال زیر غور صرف اتنا ہے کہ عربوں کے ہاں جو لونڈیاں زمانہ جاہلیت میں موجود تھیں ان کے اسلام لانے کے بعد ان لونڈیوں کو علیٰ حالہٖ باقی رہنے دیا گیا تھا۔ یا ان لوگوں سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ ان سے اسلامی طریقے کے مطابق تجدید نکاح کریں۔ جو صاحب اس مسئلہ پر کچھ لکھنا چاہیں۔ وہ صرف اسی نکتہ کے متعلق لکھیں کیونکہ ظہور اسلام کے بعد نہ کسی آزاد عورت سے اور نہ لونڈی سے جنسی اختلاط بلا نکاح کی اجازت تھی۔ اور جنگی قیدیوں کے متعلق قرآن میں حکم آ جانے کے بعد غلام اور لونڈیوں کا وجود ہی ختم کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اگر مسلمانوں کے ہاں غلام اور لونڈیاں دکھائی دیتے ہیں تو وہ مسلمانوں کا اپنا فعل تھا جس سے اسلام کا دامن بالکل پاک ہے۔

اسلام کی سرگذشت

(صفحہ ۸ کا بقیہ)

جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے ___ وہ شخص تھا جس نے کہا تھا کہ "بہت جلد میں بھی ایسی ایک کتاب نازل کر دوں گا جیسی خدا نے نازل کی ہے"[1]۔

*

غالباً ان تصریحات کے بعد جو ہم نے بیان کی ہیں ___ کہ عرب کے اپنے اردگرد کے لوگوں، یعنی ایرانیوں اور رومیوں سے تجارتی، سیاسی اور دینی تعلقات قائم تھے۔ نیز لقمان کے بارہ میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے کہ وہ حبشی یا یہودی یا مصری تھے۔ اور عربوں کا اس پر اتفاق ہے کہ بہرحال وہ عربی نسل سے نہیں تھے۔ نیز اس مشابہت کی بناء پر جو امثال سلیمان، اور امثال عربیہ میں پائی جاتی ہے۔ اور جو کچھ ہم حاشیہ[2] اوپر بیان کر چکے ہیں کہ عربوں کے قصوں کہانیوں اور دوسری قوموں کے قصوں کہانیوں میں کئی قسم کی مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہ عرب لوگ اپنی شبانہ مجلسوں میں ایرانیوں کے قصے اور کہانیاں بیان کیا کرتے تھے ___ یہ چیز اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ عرب قوم ___ جیسا کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے ___ دوسری قوموں سے مکمل اور مستقل طور پر کوئی الگ تھلگ قوم نہیں تھی، نہ اپنے اقتصادی وسائل میں، اور نہ ہی سیاسی اور ادبی مسائل میں۔ اس کے بعد جب اسلام آیا تو دیگر اقوام کے ساتھ یہ اتصال اور بھی مکمل تر ہو گیا۔ اور باہمی امتزاج کے اثرات بڑھتے چلے گئے۔ جیسا کہ آگے چل کر انشاء اللہ واضح ہوتا چلا جائے گا۔

[1] ابن ہشام صفحہ ۱۹۰ جلد ۱

عالمِ اسلامی

افغانستان نے پاکستانی سفارت خانوں پر حملہ کر کے جو تنازعہ کھڑا کیا تھا۔ وہ سعودی عربیہ، مصر اور ایران کی مشترکہ مساعی مفاہمت کے باوجود طے نہیں ہو سکا تھا۔ آخر میں بات یہاں آکر رک گئی تھی کہ افغانستان پاکستان کے خلاف نام نہاد پختونستان کے سلسلہ میں جو پروپیگنڈہ کر رہا ہے اسے وہ ختم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس پر افغانستان کا اصرار اس قدر زیادہ تھا کہ مساعی مفاہمت تک کو ختم کر دینا پڑا۔ حالانکہ اصلی تنازعہ سے متعلق تمام امور طے پا گئے تھے۔ بہرحال مزید گفتگو ہوتی رہی تا آنکہ اس ماہ کے وسط میں یہ تضیہ ختم ہو گیا۔ اس تصفیہ سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا تھا کہ خلاف پاکستان پروپیگنڈہ کو ترک کر دیا ہوگا۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم یہی توقع کی جا سکتی تھی کہ اتنے عرصہ کی کشیدگی کے بعد جو تعلقات استوار ہوئے ہیں۔ تو افغانستان اس کا کچھ نہ کچھ لحاظ ضرور کرے گا۔ اور کچھ وقت کے لئے زبان بند رکھے گا۔ لیکن ۱۳ستمبر کو سردار محمد نعیم خاں، وزیر خارجہ افغانستان نے پاکستانی پرچم کابل میں لہرایا اور ۲۰ستمبر کو آپ نے عبدالغفار خاں کی گرفتاری پر رائے زنی کرتے ہوئے کہا کہ اس کا مقصد "پختونستان کی قومی تحریک" کو کچلنا ہے۔ پختونستان کے بارے میں اپنی حکومت کی حکمت عملی کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ اس میں نہ کوئی تبدیلی آئی ہے نہ آ سکتی ہے۔ عبدالغفار خاں کی گرفتاری پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے اور کسی کو اس میں مداخلت کا حق حاصل نہیں ہے۔ افغانستان نے نہ محض اس اندرونی معاملہ میں دخل اندازی ضروری سمجھی بلکہ اسے نام نہاد پختونستان سے منسوب کر کے اسے ایک الگ رنگ دینا چاہا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ افغانستان کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اگر یہی صورت حال ہو تو پرچم سے متعلق تصفیہ عالم اسلامی کے بہی خواہوں کے دلوں میں مسرت کی ہلکی سی لہر بھی پیدا نہیں کر سکیگا۔ ظاہر ہے کہ افغانستان نے یہ تصفیہ کسی مصلحت کے تحت کیا ہے ورنہ اس کے دل میں اخوات اسلامی تو کجا، حقوق ہمسائیگی تک کا بھی کچھ احترام نہیں۔ اس سے دونوں ممالک کے تعلقات بہتر نہیں ہو سکیں گے اور عالم اسلامی میں کشیدگی کی ایسی ناگوار صورت باقی رہے گی۔ جو ان کے اتحاد کی راہ میں رکاوٹ بنی رہیگی جن ممالک اسلامیہ نے اس سلسلہ میں مفاہمت کی کوشش کی تھی ان کا فرض ہے کہ وہ اس حقیقی علت کا علاج سوچیں اور کسی ایک ملک کو اس قابل نہ رہنے دیں کہ وہ اتحاد کی مساعی کو ناکام بنادے۔

مراکش کا معاملہ ابھی تک طے نہیں ہو سکا ہے۔ وہاں امیدیں بن بن کر بگڑتی ہیں۔ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا ہوگا؟ فرانس کی حکومت اصلاحات کی گفتگو کے لئے تیار ہے بظاہر توقع پیدا ہو گئی تھی کہ موجودہ غاصب سلطان کی بجائے ایک ریجنسی کونسل قائم کی جا سکے گی اور نئی حکومت مرتب کر کے سلسلہ مذاکرات شروع کیا جا سکے گا۔ لیکن مختلف سیاسی پارٹیوں نے وزیر اعظم فار کی مخالفت شروع کر دی ہے اور خدشہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں ان کی حکومت ہی ختم نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا یا سلسلہ مذاکرات شروع کرنے میں کسی اور وجہ سے کوئی تاخیر ہو گئی تو مراکش کی صورت حال سخت خراب ہو جائے گی۔ مراکش کے قومی جذبات بڑی شدت سے ابھرے ہوئے ہیں اور وہ کم از کم داخلی خود مختاری ضرور حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہے! اس کے برعکس فرانس معقولیت اور حقیقت پسندی کی راہ اختیار کرنے کی بجائے فوجی طاقت سے کام لینا چاہتا ہے حالانکہ وہ دیکھ چکا ہے کہ اس کا نتیجہ مراکش کے جذبات قومی میں شدت کے علاوہ کچھ نہیں نکلا۔ ان حالات میں ضرورت ہے کہ باہمی گفتگو سے ایک متفقہ لائحہ عمل تیار کر لیا جائے اور مراکش کو تیونس کے برابر درجہ دیا جائے۔

شاہ ایران فروری میں دہلی جا رہے ہیں۔ اور ہندوستان کے دورے سے فارغ ہو کر روس جائیں گے۔ دوسرے ملکوں میں جانا اور ان سے روابط پیدا کرنا کوئی ایسا عمل نہیں جس کی مذمت کی جائے بلکہ آج کی دنیا میں اس سیر و سیاحت کی افادیت مسلم ہو چکی ہے۔ لیکن آمد و رفت کی بعض صورتوں کو ان کے پس منظر میں ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ ہندوستان اور روس یقیناً ایسے ممالک نہیں ہیں جو عالم اسلامی کی وحدت کو ایک آنکھ بھی دیکھ سکیں۔ وہ کوشاں ہیں کہ مسلمان متفرق رہیں اور ان کے رحم و کرم پر۔ لہٰذا ایسے دوروں سے متعلق خدشات کا پیدا ہونا بالکل فطری ہے۔ ایران پہلے سے ہی ایک حد تک ایسے عناصر کا شکار ہو چکا ہے جو وحدت عالم اسلامی کے خلاف مصروف عمل ہیں۔ اس کا پاکستان، ترکی اور عراق کے ساتھ مفاہمت کرنا یقینی نظر آتا تھا لیکن بلاوجہ لیت و لعل سے معاملہ ٹلتا جا رہا ہے۔ اب ایسے موقع پر شاہ ایران کا ہندوستان جانا اچھے نتائج کا حامل نہیں ہو سکتا ہندوستان نے مصر کو "غیر جانبداری" کا قائل کرا لیا ہے۔ اور اس کی وساطت سے عالم اسلامی میں تفریق پیدا کر رہا ہے۔ وہ ایران پر بھی ڈورے ڈالے گا اور اسی راہ پر لائے گا۔ یہ دیکھنا ہوگا کہ شاہ ایران کس حد تک یہ اثر قبول کرتے ہیں۔ مصر تو ہندوستان کا یہاں تک حلقہ بگوش بنتا جا رہا ہے کہ وہ اسلحہ کے لئے ہندوستان کی طرف دیکھ رہا ہے۔ ہندوستان مصر کی اسلحہ کی ضرورت جس حد تک پوری کر سکتا ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ لیکن تعجب تو مصر پر آتا ہے جو ایٹمی دور میں ہندوستان جیسے ملک سے اسلحہ خریدنے کا خیال دل میں لاتا ہے۔ مصر کو اسلحہ کی واقعی ضرورت ہے لیکن اس کی ضرورت ہندوستان تو کیا کسی بڑے سے بڑے مشرقی ملک سے بھی پوری نہیں ہو سکتی۔ یہ اسلحہ امریکہ سے مل سکتا ہے اور اس کے حاصل کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ مسلمان متحد ہو کر اس سے سودا کریں۔ یہ سودا کیسے ہو سکتا ہے! اس پر تفصیلی طور پر طلوع اسلام میں لکھا جا چکا ہے۔

ہندوستان اسلامی ممالک کو باہم دگر متفرق اور اپنے ساتھ متحد کرنے کے لئے یہ کچھ کر رہا ہے۔ لیکن دوسری طرف پاکستان ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے نزدیک یہ کوئی مسئلہ نہیں جسے درخور اعتنا سمجھا جا سکے اسلامی ممالک میں اس کے سفیر (بہ استثنائے چند) جن خوبیوں کے مالک ہیں ان کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ لیکن جس ملک کو اس کے اندرونی معاملات ہی چین سے نہ بیٹھنے دیں۔ وہ خارجی امور کی طرف کیا توجہ دے سکے گا! کیا ہماری نئی حکومت اس مسئلہ کی اہمیت پر غور کرے گی؟

بزمِ طلوعِ اسلام

گولیمار۔ کراچی محمد یٰسین صاحب ترجمان بزم طلوع اسلام گولیمار کراچی سے اطلاع دیتے ہیں کہ ماہ اگست میں ان کی بزم کے چار اجتماع ۵، ۱۲، ۱۹ اور ۲۶ تاریخوں میں ہوئے۔ پہلے اور دوسرے اجتماع میں اس موضوع پر تقریریں ہوئیں کہ "محمد صلعم رحمۃ للعالمین کیوں تھے؟" اور تیسرے اجتماع میں اس موضوع پر تقریریں کی گئیں کہ "مسلمانوں میں ملوکیت کی ابتدا کب ہوئی؟" اور چوتھے اجتماع میں یہ موضوع زیر بحث رہا کہ "مسلمانوں میں ملائیت کی ابتداء کب ہوئی؟"

نیز وہ لکھتے ہیں کہ اس ہفتے گارڈن ایسٹ کی بزم طلوع اسلام سے بھی رابطہ قائم کیا گیا۔

پشاور مرزا نصیر الدین صاحب ۲۷۷۲ گنددان اسٹریٹ اندرون ڈبگری گیٹ پشاور شہر سے تحریر فرماتے ہیں کہ مقامی قارئین طلوع اسلام سے گزارش ہے کہ اگر انہیں خود رابطہ پیدا کرنے میں تکلیف محسوس ہوتی ہو یا کوئی رکاوٹ درپیش ہو تو اپنے اپنے پتے سے مجھے بذریعہ پوسٹ کارڈ مطلع کر دیں۔ تاکہ ان سے مل کر قرآنی فکر کی نشر و اشاعت اور بزم کے فروغ کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش کی جا سکے۔

استفسارات بھیجتے وقت

بعض قارئین طلوع اسلام استفسارات بھیجتے وقت اپنا نام اور پتہ درج نہیں کرتے۔ چونکہ ہر استفسار کا جواب پرچے میں نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے ایسے استفسارات بے جواب رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا قارئین سوالات بھیجتے وقت نام اور پتہ پابندی سے لکھیں تاکہ اگر ان کا جواب پرچے میں نہ دیا جا سکے تو انہیں خط کے ذریعہ جواب دیدیا جائے

مدیر

بین الاقوامی جائزہ

بین الاقوامی سیاست ابھی تک جنیوا کانفرنس کے زیر سایہ جاری ہے۔ اس لئے اس میں کوئی خاص ہنگامہ نہیں ہوا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ سیاست کا یہ بظاہر پرسکوت بہاؤ اسی طرح رہے گا۔ رفتہ رفتہ وقت آرہا ہے کہ اس بہاؤ میں خلل واقع ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسا نشیب و فراز راہ سے ہوگا بلکہ اس پانی کی فطرت میں ہی سکوت نہیں۔ لہٰذا یہ دیکھنا ہے کہ روح جنیوا کب تک اثر انداز رہے گی۔ یوں اس روح کی تاثیر کا صحیح اندازہ اکتوبر کے آخر میں ہوسکیگا۔ جب چار بڑے ملکوں کے وزرائے خارجہ اکھٹے ہوں گے۔ اور چار بڑوں کی ہدایات کے مطابق متنازعہ فیہ مسائل کی جزئیات طے کریں گے۔ لیکن بعض شعبوں میں جو کچھ اب تک ہوا ہے یا ہو رہا ہے اس سے ہوا کے رخ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً تخفیف اسلحہ سے متعلق جو ذیلی کمیٹی جنیوا کانفرنس کے بعد مصروف کار ہوئی۔ وہ کسی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکی۔ معاملہ یہاں آکر رک گیا ہے کہ متعلقہ ممالک کی جنگی قوت کا معائنہ ہونا چاہیئے تاکہ اس کا صحیح اندازہ بھی ہوتا رہے اور کوئی ملک اچانک جنگ نہ چھیڑ دے۔ روس اس تجویز پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ گو امریکہ اس خوش فہمی کا اظہار کر رہا ہے کہ روس زود یا بدیر صدر آئزن ہاور کی معائنہ والی تجویز مان لیگا اگر روس اس قسم کی تجویز مان لے تو اس کے نتائج بڑے دور رس ہوں گے۔ اگر روس نے یہ تسلیم کر لیا کہ کوئی دوسری قوم بالخصوص امریکہ اس کے جنگی ساز و سامان ذخیرہ کا معائنہ کر سکتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بڑی قوموں کے مابین جو باہمی بداعتمادی کی فضا پیدا ہو چکی ہے۔ اس کے رفع ہونے کی ابتداء ہو گئی ہے۔ اور یہ صورت پیدا ہو گئی تو جنگ کا امکان کم ہو جائیگا۔

مغربی جرمنی کے چانسلر ڈاکٹر ایڈی نار ماسکو سے ہو آئے ہیں وہ بڑے خوش ہیں۔ مشترکہ اعلان میں بتایا گیا ہے کہ دونوں ملک نے سفارتی تعلقات قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ایڈی نار نے ماسکو میں بھی اور واپس آکر بھی جرمنی میں یہ واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ مغرب سے ان کے تعلقات حقیقی ہیں۔ اور روس سے مذاکرات کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ مغربی جرمنی کی سیاسی پارٹیوں نے ماسکو کے سفر اور فیصلے کو سراہا ہے۔ روس مغربی جرمنی کو اپنی طرف مائل کرنے میں کوشاں ضرور ہے۔ لیکن یہ ٹیڑھی کھیر ہے نیز وہ کمیونسٹ مشرقی جرمنی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا۔ چنانچہ ڈاکٹر ایڈی نار کے آنے کے فوراً بعد مشرقی جرمنی کے وزیر اعظم کو ماسکو بلا لیا گیا۔ ان سے کردشیف نے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ روس جرمن قیدیوں کو رہا کر دے گا۔ ایسا وعدہ غالباً مغربی جرمنی سے نہیں کیا گیا۔ اس کا احسان مشرقی جرمنی پر رکھا جائے گا۔ اقوام مغرب بھی ماسکو کے فیصلے سے مطمئن نظر آتی ہیں۔ بظاہر اطمینان کی یہی وجہ کافی ہے کہ ڈاکٹر ایڈی نار مغرب سے اپنا رشتہ

منقطع کرنے پر رضامند نہیں ہوئے۔ حالانکہ وہ یہ قیمت دے کر روس سے کئی ضروری مطالبات منوا سکتے تھے۔

امریکہ اور چین کے مذاکرات ایک عرصہ سے جاری ہیں۔ ان کا ابھی تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ گو ان کا جاری رہنا از بس غنیمت ہے۔ چین نے اس سلسلہ میں یہ تجویز پیش کی ہے کہ چین کے وزیر اعظم چو این لائی اور امریکہ کے سکریٹری آف اسٹیٹ مسٹر ڈلیز براہ راست ملاقات کریں۔ اس تجویز کا محرک چین کا یہ جذبہ ہے کہ مذاکرات کی سطح آہستہ آہستہ بلند تر ہوتی جائے۔ تاکہ حکومت چین کی تسلیم کا اصل مسئلہ کھل کر زیر بحث لایا جاسکے۔ امریکہ نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا۔ تسلیم حکومت کے بارے میں امریکہ دراصل بڑا محتاط واقع ہوا ہے۔ وہ اس کے لئے بالکل تیار نہیں۔ اس سے چین کی امیدوں پر پانی پھر گیا ہے۔ وہ اس کے لئے کوشاں تھا کہ جنرل اسمبلی کے اجلاس تک وہ اقوام متحدہ میں پہنچ جانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ گو یہ خوش فہمی شروع ہی سے دقیع نظر نہیں آتی تھی تاہم اب اس کا کوئی امکان نہیں رہا جنرل اسمبلی کا اجلاس ۲۰ ستمبر کو شروع ہو رہا ہے۔ اس اجلاس سے اندازہ ہو جائے گا کہ بین الاقوامی سیاست کا بہاؤ کدھر ہے۔ پہلا موقع ہے کہ گوا میں پنڈت نہرو کو زک اٹھانی پڑی ہے

کہاں وہ اس علاقے پر حملوں کی باتیں کرتے تھے اور کہاں یہ حالت ہے کہ انہوں نے ستیہ گرہیوں کا وہاں جانا بند کر دیا ہے کم از کم ان کا فیصلہ یہی ہے انہوں نے اچھی طرح بھانپ لیا ہے کہ دھمکیوں سے کام نہیں چلیگا۔ چنانچہ وہ الٹی زقند لگا کر اپنے اصلی مقام پر آگئے ہیں اب وہ کشمیر کی طرح گوآ کے مسئلہ کو بھی اقوام متحدہ میں لے جانا چاہتے ہیں

مطبوعات طلوع اسلام کے

شرائط ایجنسی

شرح کمیشن

معراج انسانیت ——— ۲۵ فی صدی
دیگر مطبوعات ——— ۳۳ فی صدی

۱۔ قیمت بعد منہا کمیشن بذریعہ وی پی وصول کیجائے گی۔
۲۔ غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائینگی۔
۳۔ پہلی فرمائش پچاس روپے رابعد منہا کمیشن) سے کم نہیں ہونی چاہیئے۔
۴۔ ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے ورنہ تعمیل نہیں ہوسکے گی۔

نوٹ:- کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۱۳ کراچی

کیا آپ نے یہ کتابیں دیکھی ہیں؟

مزاج شناس رسول — یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول، مزاج شناس کون ہیں؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۴۰ صفحات ——— قیمت چار روپے

مقام حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات۔ اور قیمت فی جلد ——— چار روپے

فردوس گم گشتہ — (از پرویز) ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیمیافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطہ نگاہ سے۔ اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۰۰ صفحات ——— قیمت چھ روپے

نوادرات — (از علامہ اسلم جیراجپوری، علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ——— قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت — (از پرویز) مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں صفحات ۱۹۲۔ قیمت دو روپے

نظام ربوبیت — (از پرویز) انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور اقتصادی ملکیت کا قرآنی تصور دور حاضرہ کی عظیم کتاب ضخامت تین سو صفحے ———
قیمت (قسم اول) ——— چھ روپے
(قسم دوم) غیر مجلد ——— چار روپے

اقبال اور قرآن — (از پرویز) علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ ———
ڈسٹ کور کے ساتھ۔ صفحات دو سو چھپن (۲۵۶) ——— قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۱۳۔ کراچی

تاریخ الامّت

علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ کی تاریخ کی وہ بے مثل کتاب جو تقسیم سے پہلے بیشتر درسگاھوں میں بطور نصاب شامل تھی۔ اب مولف کی اجازت سے طلوع اسلام نے اسے دوبارہ چھاپا ھے۔

قیمت حصہ اول (سیرت رسول اللہ صلعم) دو روپے۔
قیمت حصہ دوم (خلافت راشدہ) دو روپے آٹھ آنے۔

کتاب آٹھ حصوں پر مشتمل ھے۔ باقی حصے عنقریب شائع ہو جائینگے۔

اقبال اور قرآن

اقبال نے قرآنی انقلاب کی آواز سے فضا کو معمور کیا۔
قرآن کیا کہتا ھے اور اقبال کا پیغام کیا ھے؟
ان کے جوابات مفسر قرآن اور ترجمان اقبال پرویز سے سنئے۔

ضخامت ۲۵۶ صفحات قیمت دو روپے

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح معرض وجود میں آیا؟ آدم اور خلافت آدم کا مفہوم کیا ھے۔ ابلیس کیا ھے اور آویزش ابلیس و آدم کیا؟ وحی کیا ھے اور وحی نے انسان کو کیا عطا کیا؟ ان سوالات کے قرآنی جوابات اس کتاب میں دیکھئے۔

صفحات ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۷۲۱۳ - کراچی ۳

افراد

الگ الگ رهیں گے تو هر فرد کی عقل اپنے سفاد کیلئے کوشاں رهیگی

اس کا نتیجه

مفاد کا تصادم فلهذا مستقل فساد هے

اس تصادم سفاد کا حل

یه هے که تمام افراد کی ضروریات زندگی کی فراهی کی ذمه‌داری

معاشره پر هو۔ اس طرح تمام افراد معاشره

ایک گھرانے کے فرد

بن جائینگے۔

قرآن ایسے هی معاشره کا تصور پیش کرتا هے۔

اس کا واضح نقشه

☆ نظام ربوبیت ☆

(از - پرویز)

سیں سلے گا۔

قسم اول۔ کاغذ سفید کرنا فلی۔ جلد سضبوط مع گرد پوش چھ روپے۔

قسم دوم۔ کاغذ سیکانیکل۔ صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے۔

ناظم اداره طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۳۱۳ ۔ کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-o-Islam Office, 23/1 Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi.
Editor: KHURSHID ALAM